میثاق

ماہنامہ

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت :- ۳۶-کے- ماڈل ٹاؤن - لاہور

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶-۳۱
۲۳۹۳۱

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد ۳۲ | شمارہ ۱۰ | محرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۳ء

مشمولات

محاضرات قرآنی ——— ۲

عرض احوال ——— ۳

عاکف سعید

الہدیٰ (آٹھویں نشست) ۵

مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد

جان نثاران محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷

ڈاکٹر اسرار احمد

نظم جماعت اور امارت شرعیہ ۳۳

مولانا محمد سعید الرحمان علوی

اظہار حق ——— ۴۷

(قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینہ میں)

قاری نصیر احمد غزنوی

رفتار کار ——— ۶۳

خط و کتابت کے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زر تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر:
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل۔
نزد آرام باغ۔ شاہراہ لیاقت۔
کراچی۔ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

اِنْ شَاءَ اللہُ العزیز

مرکزی انجمن خُدّامُ القرآن لاہور

کے زیرِ اہتمام - اس سال دوسری بار

محاضراتِ قرآنی

۲۸ر اکتوبر تا یکم نومبر ۱۹۸۳ء - جناح ہال لاہور

میں جاری رہیں گے جن میں مقامی اصحابِ علم و دانش کے علاوہ

ہندوستان سے متعدد علماءِ کرام شرکت فرمائیں گے مثلاً:

۱ - مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہٗ (مدیر "برہان" دہلی)

۲ - مولانا محمد تقی امینی مدظلہٗ (ناظم سُنی دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

۳ - پروفیسر محمد اقبال انصاری (ڈائرکٹر، شعبہ علوم اسلامی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

۴ - مولانا وحید الدین خاں (مدیر "الرسالہ" دہلی)

۵ - مولانا اخلاق حسین قاسمی (مہتمم مدرسہ رحیمیہ، دہلی)

اور بعض دیگر اصحاب

"صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے!"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

محرم الحرام ۱۴۰۴ھ کا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ آج سے دو سال قبل ۱۴۰۲ھ کے ماہِ محرم میں والد محترم، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے موقع کی مناسبت سے 'سانحۂ کربلا' کے موضوع پر مفصل تقریر کی تھی۔ جس میں اس حادثۂ فاجعہ کے پس منظر، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف اور انکی شہادت کے واقعے پر شرح و بسط سے روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ تقریر دسمبر ۸۱ء کے میثاق میں شائع ہوئی تھی۔ اُس شمارے کی مانگ اتنی بڑھی کہ اُسے دوبارہ شائع کرنا پڑا۔ لیکن اُس کی تمام کاپیاں بھی ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں اور ضرورت محسوس ہوئی کہ تیسرا ایڈیشن بھی شائع کیا جائے۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر ایسا ممکن نہ ہوا۔ اب اس تقریر کو باقاعدہ کتابچے کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ اس میثاق کے قارئین کے ہاتھوں میں پہنچنے تک مذکورہ بالا کتابچہ بھی چھپ کر مارکیٹ میں آجائے گا۔

زیرِ نظر شمارے میں مولانا سعید الرحمن علوی صاحب کا ایک دقیع اور گرانقدر مضمون بعنوان 'نظمِ جماعت اور امارتِ شرعیہ' شامل ہے۔ یہ مقالہ مولانا موصوف نے 'دوسرے سالانہ 'محاضراتِ قرآنی' منعقدہ مارچ ۸۳ء کے آخری اجلاس کے لئے ارسال کیا تھا۔ اس حد درجہ جامع مقالے میں مولانا نے برصغیر پاک و ہند میں 'نظمِ جماعت' کی پوری تاریخ اور اس کے مختلف ادوار کو بہت مربوط انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اس صدی کے اوائل میں غلبۂ دین اور جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے تشکیلِ جماعت کے لئے جو کوششیں ہوئیں، وہ اگرچہ

ماضی قریب کی تاریخ سے متعلق ہیں لیکن پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت اُن سے قطعی ناواقف ہے۔ وہ تمام لوگ جو اقامتِ دین اور جہاد فی سبیل اللہ اور ان کے ضمن میں تشکیلِ جماعت کے موضوعات سے دلچسپی رکھتے ہوں یا ان امور کے لئے سرگرمِ عمل ہوں، ان کے لئے یہ مقالہ خصوصی دلچسپی اور فکری و عملی رہنمائی کا حامل ہے۔ اس مقالے سے جہاں نظمِ جماعت کی ضرورت واہمیت واضح ہوتی ہے وہیں 'طریقِ تنظیم' کے معاملے پر بھی وضاحت سے روشنی پڑتی ہے۔

ہمارے بزرگ رفیق کار اور رکن ادارہ تحریر شیخ جمیل الرحمٰن صاحب تین چار ماہ سے اپنی بعض مصروفیات کے باعث کراچی میں مقیم ہیں۔ گو میثاق کی ادارت کے ضمن میں اُن کا تعاون ہمیں اس دوران بھی حاصل رہا۔ لیکن اپنی مصروفیات کی بنا پر وہ میثاق کو اُتنا وقت نہ دے پائے جتنا وہ اس سے قبل دے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عرض احوال کا کالم گذشتہ دوماہ سے ان کی تحریر سے محروم ہے۔ توقع ہے کہ شیخ صاحب اس ماہ کے وسط تک کراچی میں اپنی مصروفیات سے فارغ ہوجائیں گے اور پھر سے میثاق کو بھرپور وقت دے سکیں گے۔ اور معاملہ وہی ہوگا۔

ع لو آگئی چمن میں پھر سے بہار آج!

عاکف سعید

۲۴/۱۲/۱۴۰۲ھ

آٹھویں نشست

الہدیٰ

مقامِ عزیمت
اور
حکمتِ قرآنی کی اساسات

سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی روشنی میں

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ

منتخب نصاب کا درس ثالث

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۲)

محترم حاضرین اور معزز ناظرین!

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ان مجالس کے بالکل آغاز میں یہ عرض کیا تھا کہ فہم قرآن کے دو درجے ہیں۔ ایک جسے قرآن مجید تذکّر بالقرآن قرار دیتا ہے یعنی آیات یا سورتوں سے انکا اصل لب لباب اصل سبق حاصل کر لیا جائے۔ اور دوسرا ہے تدبّر قرآن یعنی اسکی گہرائی میں غوطہ زنی کی جائے۔ ایک ایک لفظ پر ڈیرہ لگا کر تدبّر اور تفکر کا حق ادا کیا جائے۔ ہم نے پچھلی نشست میں سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کا جو حاصل تھا، اس میں ہمارے لئے جو رہنمائی تھی اس کو تو جس حد تک بھی ممکن ہو سکا، اخذ کر لیا تھا۔ آج ذرا بطریق تدبّر اس پر غور کیجئے تو یہ بات سامنے آئیگی کہ یہ رکوع اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں

حکمتِ قرآنی کی اساسات معیّن ہوتی ہیں - یہ حکمت کا لفظ آپنے عام طور پر سُنا ہوگا اور بالعموم ہم اسے فلسفے کے ساتھ جوڑ کر بولتے ہیں یعنی - فلسفہ و حکمت - لیکن جان لیجئے کہ فلسفہ اور حکمت میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے - فلسفے کا دارو مدار عقل کے مسلّمات پر ہے - فلسفہ آگے بڑھتا ہے منطق کے اصولوں پر جبکہ حکمت میں جو اصل اساس ہے وہ بدیہیاتِ فطرت پر ہے - ہماری فطرت میں کچھ چیزیں مُضمر ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں چاہے ان کے لئے کوئی دلیل نہ دیں لیکن وہ جو ہماری فطرت میں مضمر حقائق ہیں ان کو بنیاد (BASE) بناکر پھر تعقل کا عمل اور تفکر (PROCESS) آگے بڑھے تو جو حاصل ہوگا، وہ حکمت ہے - لفظِ حکمت کو بھی ذرا اچھی طرح سمجھ لیجئے - ح - ک اور م سے جو الفاظ عربی زبان میں بنتے ہیں ان سب میں آپ کو ایک مضمون مشترک ملے گا اور وہ ہے کسی شے کی پختگی اور مضبوطی - چنانچہ اسی سے لفظ استحکام بنا ہے - جیسے عام طور پر بولا جاتا ہے کہ فلاں چیز مستحکم ہے - حکمت اصل میں انسان کی عقل و شعور کی وہ پختگی ہے کہ جس سے اُس میں اصابت رائے پیدا ہو جائے - اُسے صحیح حقائق تک رسائی حاصل ہو جائے - صحیح نتائج تک انسان پہنچ رہا ہو - یہ ہے حکمت - قرآن حکیم میں سورہ بقرہ میں اسکو اللہ تعالےٰ نے اپنا ایک بہت بڑا انعام، اپنا ایک بہت بڑا احسان قرار دیا ہے - فرمایا: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ - "اللہ تعالےٰ حکمت عطا فرماتا ہے - جس کو چاہتا ہے" وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا "اور جسے حکمت عطا ہو گئی اُسے تو خیرِ کثیر عطا ہو گیا - تو یہ ہمارے ہاں کی VALUES ہیں یہ عقل کی پختگی، دانائی، حقائق رسی کی کیفیت، اصابت رائے، یہ اللہ تعالےٰ جسکو عطا فرمادے یہ اُس پر اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا انعام اور احسان ہے - ایک حدیث نبوی بھی حکمت کے ضمن میں میں چاہتا ہوں کہ ضرور آپ کو سُنادوں - حضورؐ فرماتے ہیں -

الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بھا۔ حکمت اور دانائی مومن کی گمشدہ متاع کے مانند ہے۔ وہ اس کا سب سے بڑھ کر حقدار ہے جہاں کہیں بھی پائے۔ یعنی جیسے آپ کی کوئی چیز کہیں کھو گئی ہو اور پھر آپ کو وہ کہیں نظر آئے تو آپ لپکتے ہیں اس کی طرف کہ یہ میری چیز ہے۔ اس فعل میں آپ کو کوئی رکاوٹ اور کوئی جھجک نہیں ہوتی۔ بالکل اسی طرح مومن کا معاملہ ہے کہ WISDOM ، حکمت یا دانائی اُسے جہاں بھی نظر آئے گی وہ اُسے لپک کر قبول کر لے گا بالکل اُسی طرح جس طرح کوئی شخص اپنی کسی گمشدہ چیز کو حاصل کرنے کے لئے لپکتا ہے۔ بلکہ حضورؐ نے فرمایا ھو احق بھا۔ مومن سب سے زیادہ مستحق ہے حکمت کا۔ حیث وَجَدَھا جہاں کہیں بھی وہ اُسے مل جائے۔

اب آپ اس رکوع میں دیکھئے کہ حضرت لقمان کی شخصیت کے حوالے سے گفتگو شروع ہوئی لیکن حکمتِ قرآنی کی دو اساسات کو معین کر دیا گیا۔ پہلی اساس کیا ہے؟ شکرِ خداوندی۔ لفظ شکر کو بھی میں چاہوں گا کہ آپ اچھی طرح سمجھیں۔ اگرچہ یہ لفظ اُردو میں مستعمل ہے لیکن اگر کسی سے آپ پوچھیں شکر کسے کہتے ہیں تو کہے گا۔ شکر شکر ہوتا ہے، اُس کے لیے شاید وہ کوئی اور لفظ استعمال نہ کر سکے۔ شکر کیا ہے؟ امام راغب اصفہانیؒ نے بڑی عمدہ تعریف کی ہے۔ الشکر تصور النعمۃ و اظہارھا شکر کا مفہوم ہے کسی نعمت، کسی احسان کا اعتراف اور تصور کرنا اور اس کا اظہار کرنا" اور اسکے برعکس جو کیفیت ہے وہ کفر ہے اس آیت میں بھی آپ نے دیکھا وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ عام طور پر کفر کے معنی صرف انکار کے سمجھے جاتے ہیں جیسے کوئی دین کی کسی بات کا انکار کرے۔ رسالت کا منکر ہو۔ آخرت کا منکر ہو۔ توحید کا منکر ہو تو وہ کافر ہے۔ لیکن اصل میں کفر لغوی اعتبار سے شکر کی ضد ہے۔ یہ دونوں الفاظ ANTONYMS ہیں شکر اور کفر۔ شکر کیا ہے کہ نعمت کا انسان

کو احساس ہو اور اس کا وہ اظہار کرے اور کفر کے معنی چھپا دینا - لہذا کفر کے بارے میں امام راغبؒ کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں نعمت کو بھلا دینا اور اس کو چھپا دینا - یہ کفر ہے -

آپ غور کریں گے - شکر فطرت کا جزو لاینفک ہے - اگر فطرت صحیح ہو مسخ نہ ہوئی ہو - تو یہ بات اس حد تک درست ہے کہ یہ معاملہ صرف انسانوں تک محدود نہیں بلکہ حیوانات تک میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اگر کوئی بھوکا پیاسا جانور ہو - آپ نے اس کے سامنے چارہ یا پانی رکھا اور اس نے اپنی بھوک یا پیاس مٹالی تو اب وہ جو گردن اٹھا کر آپ کو دیکھے گا تو اس حیوان کی آنکھوں میں جذبۂ تشکر چھلکتا ہوا آپ کو نظر آئیگا - یہ فطرت ہے - اور اچھی طرح جان لیجئے کہ فطرت کی صحت کی علامت یہ ہے کہ انسان میں شکر کا جذبہ موجود ہو - اگر یہ کیفیت ختم ہو جائے تو ایسا شخص ایک ناشکرا انسان ہوگا - اسکے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہو اور اُسے احساس بھی نہ ہو کہ کسی نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے - کسی نے اس کے ساتھ احسان کیا ہے - اُسے شعور تک نہ ہو کہ کسی نے اس کے ساتھ احسن سلوک کیا ہے - تو معلوم ہوا کہ اسکی فطرت مسخ ہو چکی ہے - یوں کہیئے کہ اس کی فطرت کے سوتے خشک ہو گئے ہیں - عرب چشمہ کو عین شکری کہتے ہیں یعنی وہ چشمہ جو ابل رہا ہے - دابۃ شکور - اس جانور اور اس حیوان کو کہتے ہیں کہ اگر جسکی ٹہل کی جائے - سیوا کی جائے - اچھا کھانے پینے کو دیا جائے تو وہ فربہ ہوتا ہے - اس کا ظہور ہوتا ہے اسکے وجود میں تو وہ دابۃ شکور ہے - تو یہ شکر جو ہے یہ فطرت کا تقاضا ہے -

اب ان بدیہیات فطرت پر اضافہ ہوگا عقل کا - عقل کا وظیفہ کیا ہے! عقل کا FUNCTION کیا ہے! عقل کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اصل منعم کو پہچانے!

اب آپ غور کریں گے کہ جب انسان عہد طفولیت میں ہوتا ہے

تو اس کے ذہن کی دنیا ابھی اتنی محدود ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین ہی کے بارے میں جانتا ہے کہ یہی میرے رازق ہیں۔ یہی میرے محافظ ہیں۔ یہی میرے دکھ درد کو محسوس کرنے والے ہیں۔ کوئی تکلیف ہو تو یہی رفع کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کا جذبہ تشکر اپنے والدین کی ذات کے ساتھ محدود رہتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے فکر انسانی کا ارتقاء ہوتا ہے۔ ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے تو انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ میں تو بہت سوں کا زیر بار احسان ہوں۔ میرا وطن ہے۔ میری قوم ہے۔ میرے اعزا و اقرباء ہیں۔ یہ سب کے سب مجھ پر احسان کرتے ہیں۔ میری بھلائی کے بارے میں سوچتے ہیں۔ میں ان سب کے لئے زیر بار احسان ہوں۔ تو اب گویا کہ وہ شکر پھیل رہا ہے۔ پھر انسان یہاں تک سوچتا ہے یہ زمین جس سے میری غذا حاصل ہو رہی ہے۔ یہ سورج جس سے یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ فصلیں پکتی ہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں میں ان میں سے ہر چیز کے زیر بار احسان ہوں۔ میری ضروریات جو پوری ہو رہی ہیں۔ تو اس پوری کائنات کی ایک ایک شئے، میری ربوبیت میں، میری ضروریات کی بہم رسانی میں لگی ہوئی ہے۔ یہ شکر پھیل کر کائنات کی وسعتوں کو اپنے اندر سمو لے گا۔

اس کے بعد انسان اگر ایک چھلانگ اور لگائے فکر انسانی اگر ایک قدم اور اٹھالے تو وہ اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ یہ تمام مظاہر فطرت اور ان میں جو تعدد نظر آ رہا ہے ان سب کا منبع اور سرچشمہ ایک ذات ہے۔ سورج میں اگر تمازت ہے تو اسکی اپنی نہیں۔ کوئی اور ہے جس نے اس میں یہ تمازت رکھی ہے۔ کسی شئے میں اگر کوئی وصف ہے تو وہ اس کا ذاتی نہیں۔ ایک خالق ہے۔ ایک رب ہے۔ ایک منعم ہے جس کے انعامات اور احسانات کا یہ پورا سلسلہ اس کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔ نتیجہ کیا نکلا؟ یہ کہ عقل جب اس حد کو پہنچ جائے گی تو وہ شکر جو شروع ہوا

تھا والدین کی ذات سے اور وہ پھیلتا ہوا کائنات کی وسعتوں کو محیط ہو گیا تھا، پھر ایک ذات پر جا کر مرتکز ہو جائے گا - اور وہ سمجھ لے گا کہ شکر کا سزاوار حقیقی اللہ ہے - یہاں فطرت اور عقل دونوں کے امتزاج سے جو حاصل ہوا وہ کیا ہے؟ اسی بات کو یوں فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ - "ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی - حکمت عطا کی کہ کر شکر اللہ کا -" معلوم ہوا کہ یہاں ان یعنی 'کہ' جو ہے وہ منطقی نتیجہ ہے حکمت و دانائی کا - وہ حکمت حکمت نہیں جس سے کہ شکرِ خداوندی کی کیفیت قلب میں پیدا نہ ہو -

اب یہ بات بھی جان لیجئے - اس شکر کے تین درجے ہیں - امام راغب نے بہت خوبصورتی سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے - شکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ نعمت کا احساس اور ادراک ہو ظاہر بات ہے کہ اگر کسی بچے کے ہاتھ پر کوہ نور ہیرا رکھ دیا جائے تو اُسے معلوم ہی نہیں ہوگا کہ اُسے کیا چیز دی گئی ہے! وہ اُسے کانچ کا ٹکڑا سمجھے گا - تو جس قدر شکر اُسمیں ہونا چاہیئے اتنا پیدا نہیں ہو سکتا اس لئے اُسے شعور ہی نہیں ہے کہ مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا گیا ہے - تو پہلی چیز ہوگی نعمت کا ادراک - شعور - کما حقہٗ - دوسرا درجہ ہوگا - شکر باللسان - زبان سے بھی حمد و ثنا ہو منعم ہستی کی جیسے آپ شکریہ ادا کرتے ہیں - جیسے THANKS شکریہ - یہ اُس معاشرے میں جو ایک متمدّن اور مہذّب معاشرہ ہوگا - اس میں یہ الفاظ سب سے زیادہ کہے اور سُنے جانے والے الفاظ ہیں - پھر ایک تیسرا درجہ ہے - شکر بالجوارح - اُس نعمت کا حق ادا کرو - اگر اس نعمت کا حق ادا نہیں کیا تو یہ بھی ناشکرا پن ہے - اگر کسی بچے کو اسکے والد نے بہت ہی عمدہ کتاب لا کر دی - بچہ مہذّب تھا - اُس نے اپنے والد کا شکریہ فوراً ادا کیا لیکن پھر اس نے اُس کتاب کو بند کر کے طاقِ نسیان پر رکھ دیا اور اُس سے کوئی استفادہ

نہ کیا تو یہ بھی ناشکرا پن ہے تو نعمت کا حق ادا کرنا یہ بھی شکر کا تقاضا ہے - یہ ہے وہ چیز کہ جس سے قرآن حکیم معرفت الٰہی تک انسان کو پہنچاتا ہے -

حکمت کے نتیجے میں شکرِ خداوندی پیدا ہو اور انسان اللہ کا حق ادا کرے - اس کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ دیکھو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا - اس کی نعمتوں کا حق جو تم سے مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ شرک سے اجتناب کیا جائے چونکہ شرک بہت بڑی ناانصافی ہے - اس موضوع پر انشاء اللہ آئندہ درس میں گفتگو ہوگی -

اب اس رکوع میں حکمت قرآنی کی جو دوسری بات زیر بحث آئی ہے اس کو نوٹ کیجئے اور وہ تصور ہے معروف اور منکر کا نیکی اور بدی کا تصور - قرآن یہ بتاتا ہے کہ فطرتِ انسانی میں نیکی اور بدی کی پہچان موجود ہے اس کا امتیاز اور فرق یہ انسان طبعاً کرتا ہے - اسکی ضرورت نہیں ہے کہ انسان کو بتایا جائے کہ سچ بولنا اچھا ہے - جھوٹ بولنا برا ہے - انسان اپنی فطرت سے اس بات سے واقف ہے کہ سچائی اچھائی ہے - اور جھوٹ برائی ہے - وعدہ پورا کرنا نیکی ہے - وعدے کی خلاف ورزی کرنا برائی ہے - ہمسائے کیساتھ حسن سلوک یہ خیر ہے - ہمسائے کو پریشان کرنا ، یہ شر ہے اس لئے قرآن نے الفاظ استعمال کئے ہیں معروف ، معروف کے معنی ہیں ' جانی پہچانی چیز ' ۔ منکر وہ چیز کہ جو پہچان میں نہ آئے - میں حیران ہوا کرتا ہوں ان دو الفاظ کے حوالے سے قرآن حکیم نے حکمت کے کیسے اہم مسائل سے پردہ ہٹایا ہے - نہ صرف یہ کہ انسان اپنی فطرت سے جانتا ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے بلکہ فطرت انسانی کا میلان نیکی کی طرف ہے - بدی کی طرف نہیں - بدی سے طبیعت ابا کرتی ہے - یہ دوسری بات ہے کہ بالکل غیر معمولی حالات میں (Abnormal circumstances) میں یا غلط قسم کے ماحول سے اثر پذیر ہو کر

انسان بدی کا رُخ کر لیتا ہے - لیکن فطرتِ انسانی جو ہے وہ اِس غلط رُخ اختیار کرنے والے شخص کو متنبّہ کرتی رہے گی - اُس کا ضمیر اس کو بتاتا رہے گا کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو - تو یہ ہے دوسری اساس اور اس کا تعلق ایمان بالآخرہ سے ہے - یہ بات آگے چل کر اور کھُلے گی - اگر نیکی نیکی ہے اور بدی بدی ہے تو پھر نیکی کا صلہ ملنا چاہیئے - بدی کی سزا ملنی چاہیئے - گندم از گندم بروید جو ز جو - گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے - جو بوؤ گے تو وہی کاٹو گے - تو کیسے ممکن ہے - یا تو یہ کہیے کہ نیکی اور بدی برابر ہے ان میں کوئی فرق اور تفاوت نہیں - لیکن اگر فطرت اس کو قبول نہیں کرتی - عقلِ سلیم اسکو قبول نہیں کرتی - فطرت اور عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ نیکی نیکی ہے - بدی بدی ہے تو نیکی کا نتیجہ اچھا، بدی کا نتیجہ بُرا نکلنا چاہیئے - یہی وہ بات ہے جو حضرت لقمان نے کہی - اے میرے بچے نیکی یا بدی خواہ رائی کے دانے کے برابر ہو - پھر خواہ وہ کسی چٹان میں ہو - کہیں فضا کی پہنائیوں میں ہو - کہیں وہ زمین کے پیٹ میں گھس کر کی گئی ہو اللہ اسکو لے آئے گا - یہ اعمالِ انسانی ضائع جانے والے نہیں - یہ ہیں وہ امور کہ جن پر قرآن مجید کا اگر آپ لفظ فلسفہ استعمال کرنا چاہیں تو قرآن کے فلسفے کی عمارت ان اساسات پر تعمیر ہوتی ہے -

اب اس سلسلے میں جو سوالات آپ حضرات کرنا چاہیں میں اسکے لئے حاضر ہوں -

سوال : ڈاکٹر صاحب! قرآن میں ذکر آیا ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْد - جبکہ آپ نے فرمایا ہے کہ فطرت انسانی میں شکر اس کا جزو لاینفک ہے تو اس بات کی ذرا وضاحت فرما دیجئے کہ قرآن تو کہتا ہے کہ انسان تو ناشکرا ہے -

جواب : اصل میں اَلْاِنْسَان جب آتا ہے تو الف لام کسی چیز کو معیّن بھی کر دیا کرتا ہے - کسی شخص معین کے بارے میں بات ہو رہی ہو تو بہرحال

اس سے تو انکار نہیں کہ انسانی معاشرے میں ہر دور میں جہاں NORMAL اشخاص ہوں گے وہاں وہ لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جن کی شخصیت PERVERT ہو چکی ہو۔ مسخ ہو چکی ہو۔ تو اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے۔

سوال : کوئی شخص اگر شکر ادا کرتا ہے تو کیا وہ اس شخص کے لئے فائدہ مند ہے؟

جواب : جی ہاں۔ یہ آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ اس لئے کہ اس آیۂ مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ کے شکر کی روش اختیار کرے گا بلکہ FOR THE MATTER شکر صرف اللہ کا نہیں۔ بندوں کا بھی ہے حضورؐ نے فرمایا لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کریگا جس کنوئیں میں سے پانی خشک ہو چکا ہو اُس میں کوئی بھی ڈول ڈالیگا۔ پانی نہیں نکلے گا۔ جس کی فطرت کے سوتے خشک ہو چکے ہیں اُس میں سے شکر کا جذبہ نہ انسانوں کے لئے برآمد ہوگا نہ اللہ کے لئے۔ اگر یہ شکر ہے تو انسان کی اپنی شخصیت کا ارتقاء صحیح رُخ پر ہوگا اللہ کو شکر کی احتیاج نہیں ہے۔ اللہ تو غنی اور حمید ہے۔ اُسے کوئی احتیاج نہیں۔ کوئی اسکی حمد و ثنا کرے نہ کرے۔ وہ اپنی ذات میں خود ہی محمود ہے۔ ستودہ صفات ہے۔ تو شکر کی ضرورت اللہ کو نہیں۔ شکر کی ضرورت انسان کو ہے کہ اسکی اپنی شخصیت کا ارتقاء۔ اس کی اپنی خودی کی تعمیر بقول علامہ اقبال صحیح رُخ پر صحیح خطوط پر ہوگی۔

سوال : ڈاکٹر صاحب اس سورت کا نام سورۂ لقمان ہے لقمان کا لفظی مطلب کیا ہے؟

جواب : لقمان تو ایک شخصیت کا نام ہے۔ ایک انسان کا نام ہے یہ اسم علَم ہے۔ قرآن مجید میں سورتوں کے نام صرف بطورِ علامت رکھے گئے

ہیں - یعنی وہ سورت جس میں حضرت لقمان کا ذکر ہے -

سوال : ڈاکٹر صاحب موجودہ دور میں یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی کو نصیحت کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ نہ ہی نصیحت سُننا پسند کرتے ہیں ، نہ ہی اُسے قبول کرنا پسند کرتے ہیں - تو کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم اپنی ذاتی اصلاح پر توجہ دیں بجائے اسکے کہ ہم دوسروں کو نصیحت کریں -

جواب : میرا خیال ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کو علیحدہ (EXCLUDE) نہیں کرتیں - دونوں ہوں تب بات پوری ہوتی ہے - نصیحت کرنیوالے اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں - اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ - کیا تم لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو - تو یہ دونوں باتیں جمع کیجیے - اپنی اصلاح کی طرف انسان کو شاں رہے اور دوسروں کو بھی اصلاح کی تلقین کرتا رہے - یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لئے ممد ہوں گی -

سوال : ڈاکٹر صاحب انسان شکر کیسے ادا کر سکتا ہے -

جواب : میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا ادراک - پھر اللہ کی حمد و ثنا پھر عمل کو اللہ کی ہدایت کے تابع رکھنا - اگلی سورت جو ہم پڑھیں گے وہ سورہ فاتحہ ہو گی - اس کا آغاز ہی اس مضمون سے ہوتا ہے - اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - یہ زبان سے ہے - پھر عمل میں اللہ کی نعمتوں کا حق ادا کرنا ، یہ تین تقاضے پورے کریں گے تو شکر خداوندی کا کسی درجے میں حق ادا ہو گا -

سوال : ڈاکٹر صاحب اس رکوع میں انسانی فطرت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ اُسے برائی اور اچھائی کے بارے میں واضح ہدایات دیتی ہے جبکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ بُرائی کو ہوتا ہوا دیکھتے ہیں اور پھر چپ چاپ چلے جاتے ہیں - ایسے لوگوں کی کس حد تک گرفت

ہوسکتی ہے۔؟

جواب: یہ آپ نے بہت صحیح سوال کیا۔ اصل میں یہ ہماری شخصیتوں کی کمزوری اور نا پختگی کی علامت ہے کہ ہم نے اگر کسی بُرائی کو دیکھا تو اب تین درجے ہوسکتے ہیں ہمارے ردعمل کے جس کو حضورؐ نے ایک حدیث میں بیان کیا۔ من رأی منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہٖ پہلا درجہ تو عزیمت کا ہے کہ طاقت سے اُس بُرائی کو روک دیا جائے۔ فان لم یستطع۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو۔ فبلسانہٖ تو زبان سے تلقین کی جائے۔ نصیحت کی جائے کہ کیا کر رہے ہو۔ فان لم یستطع۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ حالات اتنے بگڑ جائیں کہ اسکی بھی اجازت نہ ہو تب یہ ہے کہ ایک احساس ضرور رہے فان لم یستطع فبقلبہٖ۔ صدمہ ضرور ہو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ آخری درجہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: ذالك اضعف الایمان۔ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ جب یہ بات بھی نہیں ہوگی اور ایک شخص گذر جائے گا اُسے احساس بھی نہیں ہوگا کہ کیا ہو رہا ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی رمق بھی اسکے اندر باقی نہیں رہی۔ یہ وہ درجہ ہے کہ جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا کہ ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

۔ اب انشاءاللہ آئندہ نشست میں اس رکوع پر بطریق تذکر و تدبر دونوں اعتبارات سے مزید گفتگو ہوگی۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ٥

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں

ایک اہم اضافہ

عیدالاضحیٰ

اور

فلسفۂ قربانی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

ایک تقریر اور ایک تحریر

صفحات — ۴۸

قیمت : ۳ روپے صرف

ملنے کا پتہ

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون :- ۸۵۲۶۱۱

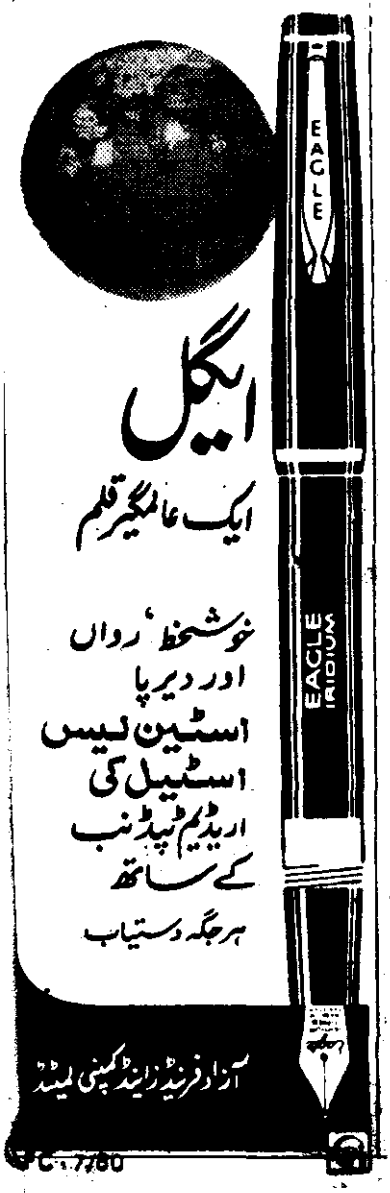

جان نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نبی اکرم کی امتیازی شانوں میں سے ایک شان

ڈاکٹر اسرار احمد۔ امیر تنظیم اسلامی

کے ایک خطاب کا طویل اقتباس

پوری نسل انسانی کی تاریخ میں بے شمار اعتبارات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ منفرد ہے۔ کسی اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانوں کا جائزہ لیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی شان تک بھی جماعت انبیاء و رسل میں سے کوئی نہیں پہنچتا ۔ اللہ کی تخلیق کا نقطۂ کمال ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کوئی شک نہیں تمام کائنات کی تخلیق کا نقطۂ عروج انسان اور تمام انسانوں کے سردار ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو نہ معلوم کس کس پہلو سے معاملہ امتیازی ہے ۔ ہم ان امتیازی شانوں کو گن بھی نہیں سکتے ۔ جب ہم کسی خاص مسئلہ پر غور کر رہے ہوتے ہیں تو کبھی کسی وقت کسی ایک بات کا شعور ہو جاتا ہے ۔ اور کبھی کسی دوسری بات کا ۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو ساتھی دیئے، واقعہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں آپؐ کا معاملہ بالکل مختلف ہے، امتیازی ساتھیوں کے معاملہ

ہیں آپؐ سے زیادہ کسی خوش قسمت انسان کا ہم تصور نہیں کر سکتے نہ ایسی کوئی شخصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزری ہے۔ نہ آپؐ کے بعد اس کا کوئی امکان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جو ساتھی دیئے۔ اس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ اس بات میں ہمیں دیگر انبیاء و رسل کا معاملہ بھی مختلف نظر آتا ہے۔

اصحاب موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کو دیکھئے آپ کو نظر آئے گا کہ بنی اسرائیل آنجنابؑ کا اس وقت تک ساتھ دیتے رہے جب تک کہ آنجنابؑ ان کو فرعون کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرا کے بخیر و عافیت مصر سے نکال نہیں لائے۔ پھر جونا فرمانیوں کا معاملہ شروع ہوا ہے تو وہ لامتناہی تھا۔ آتے ہی تو انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کی۔ پھر ان کا پیہم اتنا دل آزار طرز رہا کہ حضرت موسیٰ پکار اٹھے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ" اور یاد کرو موسیٰ علیہ السلام کی وہ بات جو انہوں نے اپنی قوم سے کہی تھی کہ اے میری قوم کے لوگو! تم کیوں مجھے اذیت دیتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں"، یہ بات کسی ایک واقعہ سے متعلق نہیں ہے فعل مضارع ہے جس میں دوام ہوتا ہے یعنی اے میری قوم کے لوگو! تمہارا میرے ساتھ ایذا رسانی کا طرز عمل مسلسل جاری ہے۔ آنجنابؑ پر تنقیدیں ہوتی تھیں۔ آپؑ کا استہزاء ہوتا تھا۔ فقرے چست کئے جاتے تھے۔ الزام لگائے جاتے تھے کہ تم نے ہمیں مروا دیا۔ گویا وہ مصر میں چین کی بنسری بجاتے تھے۔ یہ ساری اذیتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھیلنی پڑیں۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب جہاد و قتال سے پوری قوم نے کورا جواب دے دیا اور صاف انکار کر دیا۔ اور کہا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدہ ۲۴)، یہ آخری چرکا تھا جو اپنے ساتھیوں کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لگا۔ جس پر آنجنابؑ کی قوت برداشت جواب دے گئی اور آپؑ

کی زبان سے بے اختیار نکلا، رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ (المائدہ ۲۵) "موسیٰ علیہ السلام نے کہا "اے میرے رب! میرے اختیار میں کوئی نہیں مگر یا میری اپنی ذات یا میرا بھائی۔ پس تو ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان تفریق کر دے۔"

اصحاب علیہ السلام

انجیل پڑھیئے تو اس سے بھی آگے آپ کو معاملہ نظر آئے گا۔ یہودیوں نے بحیثیت امت کیا کچھ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہیں کیا — گمراہ کہا، کافر کہا، مرتد کہا، جادوگر کہا، واجب القتل ٹھہرایا اور اپنی دانست میں صلیب پر چڑھوا کر دم لیا۔ چلئے، ان کا معاملہ چھوڑیئے۔ انہوں نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کو رسول ہی نہیں مانا۔ آنجنابؑ کے حواریین کا معاملہ دیکھیئے! آپؑ کو کل بہتر[۷۲] افراد دیئے گئے۔ آنجنابؑ کی اپنی حواریین کو دعوت یہ تھی کہ میرے ساتھ رہو۔ ان بہتر[۷۲] میں سے اس دعوت پر لبیک کہنے والے نکلے صرف ۱۲ حواریین — ان بارہ میں سے ایک وہ ہے جس نے غداری کی دوسرا وہ ہے جس نے تین مرتبہ آنجنابؑ کا انکار کیا۔ انحراف شدہ انجیل میں یہ بات اب بھی موجود ہے کہ گرفتاری کی رات کو آخری کھانے کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا "پیٹر! اس سے پہلے پہلے کہ مرغ سحر اذان دے تو مجھ سے تین بار اعلان برأت کرے گا" لہٰذا اب رہ گئے دس۔ تو انجیل کی گواہی یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جان نثاری نہ دکھا سکا اور اس آڑے وقت میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ساتھ نہ دے سکا۔ پھر مسلسل ساتھ رہنے والوں کو حضرت مسیح علیہ السلام جس طرح نصیحتیں کرتے رہے وہ بھی انجیل میں مذکور ہیں جن کے بین السطور ان حواریین کی قلبی کیفیات کی ایک جھلک نظر آسکتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام ان سے بار بار کہتے نظر آتے ہیں "تم یقین کیوں نہیں رکھتے! تم مانتے کیوں نہیں ہو! تم کو اللہ پر توکل کیوں نہیں ہے!"

اصحابؓ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | اس لحاظ سے بھی دیکھا جائے

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بے حد و نہایت امتیازی ہے بلکہ اتنا امتیازی، جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ نبی کریم صلعم کو ایسے جان نثار اصحاب ملے کہ تاریخ انسانی اس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی - حالات و واقعات کی تہہ میں اصل حکمت و مشیت تو اللہ تعالےٰ کی کارفرما ہوتی ہے لیکن اسی کی یہ سنّت ہے کہ وہ ظاہر میں بھی حالات و واقعات کے لئے اسباب و علل فراہم کرتا ہے لہٰذا اس بات کو ذہن میں رکھیئے کہ کسی قوم کا جو بنیادی اخلاقی سرمایہ ہوتا ہے، اسکی بڑی اہمیت ہوتی ہے - جس قوم میں سے بنیادی انسانی اخلاق کا دیوالہ نکل چکا ہو، اس قوم کو آپ بلوئیں گے تو جو مکھن نکلے گا وہ اس قوم کی اجتماعی کیفیات کے مطابق نکلے گا - اسی طرح بنیادی انسانی اخلاقیات کی اگر کچھ پونجی کسی قوم میں محفوظ ہو تو اس قوم کا مکھن ایسے لوگوں پر مشتمل ہوگا جن میں انسانی اخلاق کی اقدار بدرجہ اتم موجود ہونگی - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی اکھڑ قوم تھی - بڑی جھگڑالو قوم تھی، خود قرآن مجید میں، اس کو قَوْمًا لُدًّا کہا گیا ہے - وہ اعتقادی اور عملی طور پر بھی بہت سے مفاسد میں گرفتار تھی! سب کچھ تھا لیکن بنیادی انسانی کردار ان میں محفوظ تھا۔ ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تو دیدیا - اب ہر چہ باد آباد - مان لیا تو مان لیا مہمان ہے تو اس کے لئے خود فاقہ کریں گے لیکن اس کو کھلائیں گے - باپ کا قاتل بھی اگر امان لے چکا ہے، جس کو وہ وادیوں میں تلاش کر رہا ہے - جس پر قابو پانے کیلئے وہ صحراؤں میں سرگرداں ہے - اس تلاش و تعاقب میں سالہا سال بیت گئے ہیں کہ یہ قاتل ہاتھ لگے تو اس کے خون سے انتقام کی آگ بجھائی جائے - اور وہی شخص آتا ہے اور رات کے اندھیرے میں امان لے لیتا ہے - پہچانا نہیں جاتا کہ کون ہے؟ صبح کے اجالے میں شناخت ہوتی ہے کہ یہ تو باپ کا قاتل ہے تو جذبۂ انتقام پر امان دینے کی قدر غالب آجاتی ہے - تو

اس سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جلد سے جلد میری دسترس سے دُور چلے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکوں — تو یہ اس قوم کا جو کردار تھا، یہی اس کا بنیادی سرمایہ تھا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الناس کالمعادن" انسانوں کی مثال معادن کی سی ہے۔ اگر لوہے کی کچ دھات (Ore) ہوگی تو اس سے لوہا نکلے گا۔ سونے کی کچ دھات ہے تو سونا باہر نکلے گا۔ ہوسکتا ہے کہ سونے کی کچ دھات (Ore) جب کان سے نکلے تو اس کے ساتھ کچھ دوسری دھاتیں اس طرح ملی جلی ہوں کہ وہ بظاہر لوہے سے بُری نظر آئے۔ لیکن جب صاف کریں گے تو خالص سونا نکل آئے گا۔ اسی طرح چاہے لوہے کی کچ دھات کان سے نکلتے وقت سونے کی کچ دھات سے بہتر نظر آرہی ہو لیکن صاف کرنے میں کتنی ہی جان لڑاؤ گے تو نتیجتاً نکلے گا لوہا۔ اسی اصول کو ایک دوسرے اصول سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام"، تم میں سے جو جاہلیت میں بہترین تھے، وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں"، یعنی حالت کفر میں جو لوگ بہترین انسانی اخلاق و کردار اور اعلیٰ صفات و اوصاف کے حامل تھے، اسلام میں ان کی یہ خوبیاں مزید نکھر گئیں اور وہ نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن گئے تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد و بے حساب امتیازات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے اصحابؓ ملے جو اس سے قبل کسی نبیؑ یا رسولؑ کو نہیں ملے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے ان جلیل القدر رسولوںؑ کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا، میں اس کا اجمالاً ذکر کر چکا ہوں۔ بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس "یروشلم" لکھ دی تھی اور ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے جہاد و قتال کا حکم دیا تھا نیز ان کو دو مومنین صالحین کی زبانی بشارت مل گئی تھی "فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔" پس جب تم ان جباروں کے مقابلے میں دروازے

کے اندر) داخل ہو گئے تو تم ہی غالب رہو گے، اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اگر تم اس پر ایمان رکھتے ہو"۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے جو جواب دیا وہ میں آپ کو سنا چکا ہوں۔

جان نثاران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اب تقابل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ——— (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا طرز عمل دیکھیے۔ غزوۂ بدر سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مشورے کے لئے جمع کیا اور بتایا کہ قریش ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ سے کوچ کر چکے ہیں۔ مہاجرین میں سے اکثر اصحابؓ نے جاں نثارانہ تقریریں کیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی طرف دیکھتے رہے کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے، جب دشمن مدینہ پر چڑھ آتے۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سردار خزرج) نے اٹھ کر کہا "کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ یا رسول اللہ ہم آپؐ پر ایمان لا چکے۔ ہم آپؐ کی تصدیق کر چکے۔ ہم آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم کر چکے اب خدا کی قسم! آپؐ فرمائیں تو ہم آگ اور سمندر میں کود پڑیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے مزید عرض کیا" اور آپؐ حکم دیں تو ہم برک غماۃ تک (عرب کا ایک دور دراز علاقہ جس کی راہ میں لق و دق صحرا پڑتا ہے) اپنی سواریاں لے جائیں۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعے آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطاء فرمائے"۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "یا رسول اللہ! ہم حضرت موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ ۝ (المائدہ ۲۴) ہم لوگ آپ کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے"۔ چند دوسرے انصار نے بھی سرفروشانہ اور جان نثارانہ انداز میں عرض کیا! یا رسول اللہؐ! آپؐ کو جو بات محبوب ہو بسم اللہ فرمائیے۔ جہاں آپؐ کا پسینہ گرے گا وہاں ہم اپنا خون بہانے کو اپنے لئے سعادت سمجھیں گے احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ

جاں نثاروں کی ان تقریروں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ انور دمک اٹھا۔ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کی ایک غلطی کی وجہ سے فتح شکست سے بدل گئی اور کفار کے ایک دستے نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نرغے میں لے کر شہید کرنا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کیا تو آپؐ نے فرمایا کون ہے جو مجھ پر جان دیتا ہے؟

احادیث میں آتا ہے کہ زیاد بن سکنؓ نامی ایک انصاری صحابی سات انصاریوں کو لے کر اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے اور ایک ایک نے جان کی بازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ حضرت زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب پھر نصرت الٰہی سے شکست فتح میں تبدیل ہوئی اور کفار میدان چھوڑ کر پلٹ گئے تو آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ زیاد بن سکنؓ کا نیم جان لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ اٹھا کر لائے۔ کچھ جان باقی تھی، قدموں میں سر رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دے دی۔ ع

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیازمندے
کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

اسی غزوۂ احد میں ایک مرحلہ یہ بھی آیا کہ ایک کافر صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت صلعم کے قریب پہنچ گیا اور اس شقی نے رحمۃ للعالمین کے چہرہ مبارک پر تلوار ماردی جس کی وجہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں، پھر چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے۔ یہ دیکھ کر جان نثاروں نے آپ صلعم کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ ابودجانہؓ جھک کر سپر بن گئے اور جو تیر آتے تھے، ان کی پیٹھ پر آتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے تلواروں کے واروں کو ہاتھ پر روکا اور ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ حضرت انسؓ کے علاقی باپ ابوطلحہؓ مشہور تیر انداز تھے۔ انہوں نے اتنے تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ انہوں نے سرور دو عالم صلعم کا چہرۂ انور اپنی سپر کی اوٹ میں کر دیا تھا۔ جب کبھی آنحضرت صلعم گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے تو وہ عرض کرتے کہ

"یا نبی اللہ! گردن نہ اٹھائیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے! یہ میرا سینہ سامنے ہے" انہی حضرت انس بن مالکؓ کے چچا ابن نضرؓ نے جب یہ خبر سنی کہ رسول اللہ صلعم نے شہادت پائی ہے تو یہ کہہ کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے کہ "آپؐ کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے" اور لڑ کر شہادت پائی،

لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو ۸۰ سے زیادہ زخم تھے۔ حضرت صلعم پر دشمنوں نے یورش کی تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جو مشہور تیر انداز تھے، آپؐ کے ساتھ مسلسل لگے رہے اور آنحضرت صلعم نے اپنا ترکش ان کے حوالے کر دیا اور فرمایا "تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تیر برساتے جاؤ" پوری حیات طیبہ میں یہ کلمہ صرف حضرت سعدؓ کے نصیب میں آیا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام کے جسم پر اس غزوے میں لاتعداد گہرے زخم آئے۔ مندمل ہونے کے بعد بھی وہ اتنے گہرے تھے کہ ان کے پوتے ان میں انگلیاں ڈالتے تھے۔ ایک نوجوان مسلمان اس معرکۂ کارزار میں بے پروائی کیساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ "یا رسولؐ اللہ! اگر میں مارا جاؤں تو کہاں ہونگا؟" حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جنت میں" اس نے اس بشارت سے بے خود ہو کر کھجوریں پھینک دیں اور کفار پر اس طرح ٹوٹ پڑا کہ شہید ہو گیا — یہ چند واقعات جستہ جستہ میں نے اس لئے بیان کئے ہیں کہ آپ پر واضح ہو جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جاں نثار ساتھی ملے تھے۔

صحابیاتِ رسولؐ:

"اب کچھ واقعات صنف نازک کے بھی سن لیجئے تاکہ یہ بات بھی مستحضر رہے کہ اللہ تعالےٰ نے خواتین میں سے کیسی کیسی جاں نثار صحابیاتؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھیں۔ اکثر خواتین اسلام بشمول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، مشکین بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ خالی ہونے کے بعد پھر جاتیں اور بھر کر لاتی تھیں۔ عین اسوقت جب کافروں کے ایک دستے نے ہجوم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

شہید کرنے کی کوشش کی اور آپؐ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے۔ تو حضرت عمارہؓ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں جب کفار آپؐ کی طرف بڑھتے تھے تو یہ تلوار سے روکتی تھیں۔ حضرت صفیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہؓ کی بہن شکست کی خبر سن کر "میدان احد میں پہنچیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو تاکید کر دی کہ حضرت حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں کیونکہ سید الشہداءؓ کا مشرکین کی خواتین نے بے دردی سے مثلہ کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر بولیں کہ "میں اپنے بھائی کا ماجرا سنتی ہوں لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ لاش پر گئیں، ان کا جوش تھا۔ اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، لیکن انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہوگئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ انصارؓ میں سے ایک عفیفہؓ کے باپ، بھائی، اور شوہر سب معرکے میں شہید ہوئے تھے۔ باری باری ان سب حادثوں کی خبر سنتیں لیکن ہر بار یہ پوچھتیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟" لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ اور بے اختیار پکار اٹھیں کل مصیبۃ بعدک جلل۔ تیرے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔"

نوعمروں کا جوہر جاں نثاری

"یہ تو عاقل و بالغ حضرات و خواتین کی جاں نثاریوں اور سرفروشیوں کی ایک جھلک تھی۔ جو میں نے آپ حضرات کے سامنے رکھی، اب ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے کہ جو لوگ کمسن تھے، اور جن کی ابھی مسیں بھی بھیگی نہیں تھیں، ان کی فدائیت اور ذوق جہاد و قتال کا کیا حال تھا؟ کیسے کیسے جاں نثار اور فدائی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈالے گئے تھے۔ غزوۂ احد کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت

عرابہ اوسیؓ بھی فوج کے ساتھ آئے تھے لیکن مدینہ سے نکل کر جب فوج کا جائزہ لیا گیا تو ان کو کمسنی کی وجہ سے واپس کر دیا گیا۔ حضرت رافع بن خدیجؓ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے۔ یہ ترکیب چل گئی اور وہ لے لیے گئے۔ حضرت سمرہؓ جو ایک بالکل نوخیز اور نوجوان تھے جو حضرت رافعؓ کے ہم سن تھے، یہ دلیل پیش کی کہ میں رافعؓ کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اس لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیئے۔ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا۔ حضرت سمرہؓ نے حضرت رافعؓ کو پچھاڑ دیا۔ لہٰذا ان کو بھی اجازت مل گئی۔

فدائیت کی ایک اور درخشاں نظیر

"واقعہ رجیع"، جس میں عضل، اور قارہ نامی دو قبیلوں کے ایک وفد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دھوکہ دیا کہ ان کے قبیلے والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور دس صحابہ کے ایک وفد کو یہ مقصد بتا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے کہ یہ حضرات ان کو اسلام کے عقائد و احکام کی تعلیم دیں گے لیکن مقام رجیع پر ان غداروں نے بنو لحیان کو پہلے کی قرار داد کے مطابق اشارہ کر دیا کہ ان مسلمانوں کا کام تمام کر دیں۔ دو سو آدمیوں نے دس لوگوں کو گھیر لیا۔ سات صحابہؓ لڑ کر شہید ہو گئے۔ تین اشخاص نے کافروں کے اس وعدے پر اعتماد کیا کہ ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا اور خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ تو ان ظالموں نے بد عہدی کی اور انؓ کو مکہ میں لے جا کر فروخت کر دیا۔ ان میں حضرت خبیبؓ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو واصل جہنم کیا تھا۔ اس لئے حارث کے بیٹوں نے ان کو خرید کر قتل کر دیا۔ دوسرے صحابی زید بن دثنہؓ تھے۔ ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادے سے خریدا تھا۔ ان کے قتل کا تماشا دیکھنے قریش کے معزز سردار جمع ہوئے۔ جب جلاد نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان بن حرب (جو فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لے آئے تھے) نے کہا "سچ کہنا، اس وقت تمہارے بدلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل

کئے جائیں تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے ؟ حضرت زیدؓ نے جو جواب دیا وہ فدائیت کی تاریخ میں آب زر سے لکھا جاتے تو بھی اس کی قدر افزائی کا حق ادا نہیں ہوگا - بولے "خدا کی قسم میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں میں کانٹا چبھ جاتے -"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سرفروشیوں اور اطاعت گزاریوں کے ایمان افروز حالات کی کچھ جھلکیاں میں نے آپ کو دکھائی ہیں - تاکہ آپ کو یاد دہانی ہو سکے اور آپ کے سامنے یہ بات رہے کہ اس اعتبار سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان ہے میں چاہتا ہوں کہ اطاعت شعاری اور فدائیت کی کچھ اور جھلکیاں آپ کو دکھا دوں آپ کو علم ہے کہ ذی القعدہ ۶ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کی بنیاد پر عمرے کا قصد فرمایا ، احرام باندھا ، قربانی کے اونٹ ساتھ لئے اور فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے صرف تلوار (جو سفر کا ایک ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی) ساتھ ہو اور وہ بھی نیام میں بند ہو یہ احتیاط اس لئے ملحوظ رکھی گئی کہ قریش اس بدگمانی میں مبتلا نہ ہوں کہ مسلمان جنگ کے ارادے سے آرہے ہیں چودہ سو صحابہؓ اس سفر میں آنجنابؐ کے ہمرکاب ہوئے - جب قافلہ عسفان پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قریش نے قرب وجوار کے تمام قبائل کو جمع کر کے جنگ کی پوری تیاریاں کر رکھی ہیں اور عزم کر رکھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی حال میں مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا چاہے ان کا بچہ بچہ کٹ مرے - قبیلہ خزاعہ نے گو ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ اسلام کے حلیف اور لازوار تھے - اس قبیلہ کے رئیس بدیل بن ورقاءؓ (جو فتح مکہ میں ایمان لائے تھے) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کے فوجوں کا سیلاب آرہا ہے اور انہوں نے عزم کر رکھا ہے کہ وہ آپؐ کو

مکہ میں داخل نہیں ہونے دینگے - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا کہ قریش کو پیغام دیں کہ ہم عمرہ کی نیت سے آئے ہیں، جنگ مقصود نہیں - بدیل بن ورقاء آپؐ کا پیغام لے کر قریش کے پاس پہنچے لیکن چند شریروں نے پہلے تو ان کو بات ہی کرنے نہیں دی - پھر پیغام سن کر اسے رد کر دیا - عروہ بن مسعود ثقفی (طائف کے مشہور سردار) نے پیش کش کی کہ مجھے اجازت دو کہ میں خود جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاملہ طے کروں قریش نے ان کی پیش کش منظور کر لی - وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے - گفت و شنید ہوئی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور وہ واپس آ گئے - عروہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے ان پر عجیب اثر کیا - (فتح مکہ کے بعد یہ بھی ایمان لے آئے تھے) انہوں نے اپنا تاثر جن الفاظ میں قریش کے سامنے بیان کیا، اس کے سنانے کے لئے میں نے یہ تفصیل بیان کی ہے - عروہ نے اس سفارت پر جانے سے قبل قریش سے جو گفتگو کی تھی وہ پہلے سن لیجئے - جب بدیل بن ورقاء کی بات قریش نے رد کر دی تو عروہ نے اٹھ کر کہا "کیوں قریش! کیا میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ اور تم میرے لئے بمنزلہ اولاد نہیں ہو؟" قریش نے جواب دیا "ہاں، ایسا ہی ہے" عروہ نے پھر کہا "میرے متعلق تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں ہے؟" سب نے بیک زبان کہا "نہیں" — اب یہ کافر و مشرک گفت و شنید کے بعد آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "یا معشر قریش! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب کو ان کے ساتھ جو عقیدت، محبت، اور وارفتگی ہے، وہ میں نے کہیں نہیں دیکھی - ایسے جاں نثار مجھے کہیں نظر نہیں آتے - محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے - پورا مجمع گوش بر آواز ہو جاتا ہے کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتا - وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے

لعابِ دہن گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں - ایسے عقیدت مندوں اور جاں نثاروں سے لڑنا پہاڑوں سے ٹکرانا ہے۔"

بیعتِ رضوان

چونکہ گفت وشنید ناتمام رہ گئی تھی، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراش رضؓ بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا لیکن قریش نے ان پر حملہ کر دیا اور وہ کسی طرح اپنی جان بچا کر لوٹ آئے - پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بھیجا - قریش نے ان کو نظر بند کر لیا - لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لئے چودہ سو صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی - تمام صحابہؓ نے جن میں مرد و زن دونوں شامل تھے، ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری اور سرفروشی کا عہد کیا - اپنے مستقر سے سینکڑوں میل دور مرد و زن پر مشتمل چودہ سو کی نفری، جو عمرے کے لئے احرام باندھ کر نکلی تھی، جن کے مردوں کے پاس صرف ایک تلوار تھی، نہ تیر و تفنگ، نہ نیزے نہ دوسرا سامان حرب - زادِ راہ بھی اتنا جو عمرے کے سفر کے لئے کفایت کر سکے لیکن یہ جاں نثار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر رہے ہیں - قریش اور اس کے حلیف قبائل سے جنگ کرنے کے لئے - یہ بیعت گویا شہادت کی موت کے لئے بیعت تھی - مادی اسباب و وسائل کے اعتبار سے اس قافلے کا قریش کی منظم و مسلح فوجوں کے مقابلے میں کوئی تناسب ہی نہیں تھا - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جاں نثاری اور سرفروشی کی اس ادا پر اللہ تعالیٰ نے یہ سند خوشنودی عطا فرمائی: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (سورۃ فتح)

"اے نبی! تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا۔ پس اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو (انعام میں) قریبی فتح دی"

پھر اسی سورۃ فتح میں اپنے عبد کامل کی رسالت کے اعلان کے ساتھ ان کے اصحاب رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی ان الفاظ مبارکہ سے مدح فرمائی :-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا =

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب ان کو دیکھو گے تو انہیں رکوع و سجود میں پاؤ گے اور اللہ کے فضل اور خوشنودی کے جویا اور طالب پاؤ گے" —— تو اس معیار، ان اوصاف اور اس پائے کے ساتھی تھے اصحاب رسولؐ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم وارضاھم اجمعین۔

("ماخوذ از" روداد تنظیم اسلامی حصہ دوم")

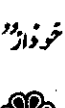

عن عبد اللہ بن عمرؓ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السمع والطاعة

علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یؤمر بمعصیۃ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں

ایک اہم اضافہ

سانحۂ کربلا

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

ایک اہم تقریر جواب کتابی شکل میں شائع ہوئی ہے

صفحات ——— ۴۸

قیمت : ——— ۲ روپے صرف

——— ملنے کا پتہ ———

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور ، فون: ۸۵۲۶۱۱

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :
709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731

نظمِ جماعت اور امارت شرعیہ

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

برِعظیم پاک و ہند کے پچھلے المناک دور میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے ضمن میں جو کوششیں ہوئیں ان میں سے بعض کا تعلق ۱۸۵۷ء سے پہلے سے ہے اور بعض کا تعلق ۱۸۵۷ء کے بعد سے، ۱۸۵۷ء ہماری بدقسمتی کا اہم موڑ تھا جب برائے نام سی مسلم مغل حکومت بھی دم توڑ کر رہ گئی۔

غازی اورنگ زیب عالمگیر مرحوم سے لے کر ۱۸۵۷ء کے دور میں مختلف رہنماؤں نے مسلمانوں کی حکومت کے تحفظ کے لئے اپنے طور پر کوشش کی جبکہ اس دوران ایک تحریک ایسی بھی نظر آتی ہے جس کا مقصد محض مسلمان قوم کا غلبہ نہ تھا بلکہ ان کے پیشِ نظر فی الحقیقت ایک عادلانہ اسلامی حکومت کا قیام تھا جس کا سربراہ نہ قیصر ہو نہ آمر، نہ جمہوریت کی آڑ میں اوامر دین کو غارت کرنے والا ہو بلکہ وہ حقیقی معنوں میں اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ الایہ کا مصداق ہو — یہ تحریک جس کا میں نے اشارہ کیا اس سے میری مراد وہ تحریک جہاد ہے جس کے فکری قائد و رہنما حضرت الامام الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے تو جہاد کے قائد حضرت الامیر السید احمد بریلوی قدس سرہٗ، اور ان کے پرخلوص جو مردانِ خدا مست نظر آتے ہیں انہیں خانوادہ ولی اللہی کے فرزند عزیز مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحی بڈھانوی کے ساتھ ساتھ علمائے صادق پور کی پوری کھیپ موجود ہے۔

اس تحریک نے گو کہ بالاکوٹ میں وقتی طور پر دم توڑ دیا لیکن یہ کہنا کہ یہ تحریک سرے سے ختم ہو گئی، صحیح نہ ہوگا بلکہ وقت پر یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ آئندہ چل کر جتنی تحریکیں اٹھیں ان کے پس منظر میں اسی عہد رفتہ کی چنگاریاں تھیں خود ۱۸۵۷ء کے جرنیل مظلم بخت خان مرحوم اسی سلسلہ کے فرد تھے جیسا کہ "۱۸۵۷ء کے ہیرو" نامی کتاب کی فاضل مصنفہ سید انیس فاطمہ بریلوی کی تحقیق ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد بالکل ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اور یہ بات یقین کے درجہ میں کہی جا سکتی ہے کہ غاصب انگریزی قوت اس سال کو اپنی مکمل فتح کا سال سمجھتی تھی اور اس کا خیال یہ تھا کہ اب یہاں میرے اقتدار کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں ہوگا لیکن میدان جہاد میں وقتی طور پر شکست کھانے والے لوگ تعلیم کے میدان میں جت گئے اور اس طرح انہوں نے اپنی منتشر قوتوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔

ایک شکست خوردہ قوم جو اپنا سب کچھ کھو چکی تھی اسے مقصد رفیع و بلند کے لئے متحد کرنا اور اس کے قومی پیکر مردگی و اضمحلال کے موجود اثرات کو دور کرنا جتنا مشکل کام تھا اس کا عام آدمی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس میدان میں اس دور کی قیادت کو جتنی صبر آزما محنت کرنا پڑی، آج کی عافیت کوش دنیا کے پاس اس کو تولنے کا کوئی پیمانہ نہیں۔ انیسویں صدی کے مابقی سال ایسے تھے کہ ان میں عیسائی مشنریوں کی یلغار کو روک کر امت کے عقائد کا تحفظ اور تعلیمی اعتبار سے اپنے بے داغ ماضی سے رشتہ جوڑنا ہی سب سے اہم کام تھا اور بیسویں صدی شروع ہوتے ہی حرکت و عمل کے لئے نئی منصوبہ بندی شروع ہو گئی جس میں ایک واضح عنوان "جمعیتہ الانصار" کا قیام ہے جسکی فکری قیادت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے سر تھی، چند سالوں میں اس جمعیتہ کے زیر اہتمام مراد آباد وغیرہ میں جو جلسے منعقد ہوئے

اور جس طرح ہندوستان کی منتشر مسلم آبادی آپس میں جڑنا شروع ہوئی اس کا ردعمل وائسرے گل لاج کے اندر محسوس ہوا اور نئے سرے سے فتنہ سامانی شروع ہو گئی اسی دوران مسجد کانپور کا حادثہ پیش آیا، طرابلس و بلقان کے خونچکاں واقعات نے پوری ملت کو خستہ جاں کر دیا اور پھر تحریک ریشمی رومال کے حوالہ سے پورے ہندوستان کے قائدین اور کارکنوں کی گرفتاری نے اس خطۂ ارضی کو سراپا احتجاج بنا دیا — تا آں کہ جنگ عظیم اوّل نے ساری بساط الٹ دی اور خلافت ترکیہ کے پلیٹ فارم کی زبون حالی کا سنگین صدمہ ارباب نظر کو برداشت کرنا پڑا - ان حوادث سے ارباب دانش کو جب ذرا سی فرصت ملی تو انہوں نے ترجیح کے طور پر سب سے پہلے مسلمان قوم کی وحدت و اجتماعیت اور شعائر دین کے معاملہ میں اس کے احساسات کو بیدار کرنے کی راہیں تلاش کرنا شروع کیں - خدا لگتی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو ہاتھ سب سے زیادہ متحرک نظر آتا ہے وہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا ہے جن کی مکمل و بھرپور سرپرستی شیخ الہند مولانا محمود حسن فرما رہے تھے اور شیخ الہند کے حوالہ سے جمعیۃ علماء ہند کا سواد اعظم ان کی پشت پناہی کر رہا تھا۔

یہ حضرات قرآن و سنت کے نمائندہ و ترجمان ہونے کی حیثیت سے اس بات سے خوب اچھی طرح واقف تھے کہ مسلم قوم کی بدنظمی انتشار اور عدم وحدت کن مصائب کا باعث بنتی ہے اور پھر اپنے فرائض کے حوالہ سے اس انتشار کو ختم کر کے رشتۂ انسلاک کا اہتمام بھی انہی کی ذمہ داری تھی - افسوس کہ اس نازک اسٹیج پر امت مسلمہ اور بالخصوص علماء کو ایک شدید دھچکا لگا — اور وہ تھا مولانا محمود حسن کا حادثۂ وفات۔ مولانا ابوالکلام آزاد جمعیۃ علماء ہند کے تیسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۷-۱۸-۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ (۱۸-۱۹-۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء) بمقام لاہور کے خطبہ صدارت (تحریری) میں فرماتے ہیں -

حضرات، اس تمہید کے بعد میں بالکل آمادہ تھا کہ مقاصد و مطالب کا سفر شروع کر دوں لیکن اچانک غمگین حادثہ کی یاد نے میرے قدم روک دیئے، آپ کی اس جمعیۃ کا گذشتہ اجلاس مجمع علماء ہند کے جس بزرگ و محترم وجود کی رہنمائی و صدارت میں منعقد ہوا تھا آج وہ ہم میں نظر نہیں آتا اور ہم اسکی موجودگی کی برکتوں سے محروم ہو گئے ہیں، میرا اشارہ حضرت مولانا محمود حسن کی ذات گرامی کی جانب ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ آج آپ میں سے ہر فرد کو انکی یاد دعوتِ غم دے رہی ہو گی ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے اور سب کو ان کی یاد کی عزت میں چند لمحوں کے لئے رک جانا چاہیئے۔ حضرت مولانا مرحوم ہندوستان کے گذشتہ دور کے علماء کی آخری یادگار تھے اُن کی زندگی اس عہد حرمان و فقدان میں علماء حق کے اوصاف و خصائل کا بہترین نمونہ تھی اُن کا آخری زمانہ جن اعمال حقہ میں بسر ہوا وہ علماء ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے ستر برس کی عمر میں جبکہ اُن کا قد اُن کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا تھا، عین جوار حرم میں گرفتار کئے گئے اور کامل تین سال تک جزیرہ مالٹا میں نظر بند رہے یہ مصیبت انہیں صرف اس لئے برداشت کرنا پڑی کہ اسلام و ملت اسلام کی تباہی و بربادی پہ ان کا خدا پرست دل صبر نہ کر سکا اور انہوں نے اعدائے حق کی مرضیات و اہوا کی تسلیم و اطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا فی الحقیقت انہوں نے علماء حق و سلف کی سنت زندہ کر دی اور علماء ہند کے لئے اپنی سنت حسنہ یادگار چھوڑ گئے۔ وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن اُن کی روحِ عمل موجود ہے اور اس کے لئے جسم کی طرح موت نہیں۔ (خطبہ صدارت ص۸۸ مطبوعہ اسلام آباد)

———— مولانا آزاد شیخ الہند سے کس درجہ متاثر تھے اس کے لئے یہ سطور جو ابھی آپ نے سماعت فرمائیں کافی ہیں لیکن میں ذرا سی دیر کے لئے آپ کو ماہنامہ میثاق کے شمارہ مارچ ۱۹۸۳ء کے حوالہ سے وہ نوٹ بھی سنانا چاہتا ہوں جو مولانا کی تفسیر ترجمان القرآن میں سورۂ توبہ

کی آیت ۴۹ کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔

احادیث مبارکہ کے مطابق نبی مکرم علیہ السلام کے سفر تبوک کے موقعہ پر جد بن قیس نامی منافق سردار نے بطائف الحیل اجازت لے کر مدینہ میں رہنا چاہا اس کا تذکرہ اس آیت میں ہے کہ "اِئْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ" مجھے اجازت دیدیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کریں ـــــ مولانا کا بے باک لیکن محتاط قلم حرکت میں آتا ہے اور لکھتا ہے۔

"غور کرو گے تو نفاق کی یہ خصلت آج بڑے بڑے مدعیان علم و شخصت میں بولتی نظر آئے گی جھوٹی دینداری اور دھمی پرہیزگاری نے سعی و عزم کی تمام راہیں ان پر بند کر دی ہیں اور وہ ساعی ہیں کہ امت پر بھی بند کر دیں ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کو عزائم و مقاصد پر توجہ دلاؤں۔ ممکن ہے چند اصحاب رشد و عمل نکل آئیں۔ چنانچہ میں نے اسکی کوشش کی لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے اِئْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی جواب رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ چکی ہے۔"

بہر طور علماء ربانیین بالخصوص مولانا آزاد نے اس طرح جو توجہ کی اس کا سبب بڑا واضح تھا انہوں نے اسی خطبہ صدارت میں جس کا ذکر اوپر ہوا مسلمانوں کی اس خطہ میں دس کروڑ سے زائد آبادی کو ایک ایسی بھیڑ کا نام دیا جو ہندوستان کی آبادیوں میں بکھری ہوئی ہے، ایک ایسا گلہ جس کا کوئی چرواہا نہیں اور پھر زور دیکر کہا۔

"یقیناً ایک حیات غیر شرعی و جاہلی ہے جس میں پوری اقلیم مبتلا ہو گئی ہے۔ انہوں نے ایک اعلان کے ذریعہ جو تحریری طور پر ساری ہندوستان میں پھیلایا گیا مسلمان قوم کی مصیبت و نامرادی کا بنیادی سبب نظم جماعت کے فقدان کو بتلایا اور واضح کیا کہ کسی "آمر و نافذ شرع" اور کسی صاحب امر و

سلطان دفاع" کے بغیر یہ سیاہ رات ختم نہ ہوگی"

وہ خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں کہ "حیات انفرادی کے بجائے حیاتِ اجتماعی کو جب تک اپنایا نہ جائے گا۔ اس وقت تک بات نہ بنے گی"۔ ان کے نزدیک یہی، اصل واساس کار تھی اور تمام مقاصد اصلاح اور مصالح انقلاب کا نفاذ وظہور اسی کے قیام ووجود پر موقوف تھا۔

ان احساسات وجذبات کی بنیاد قرآن وسنت کا وہ نکھرا ہوا ذوق تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان رجال کار کو ودیعت فرمایا تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا اور بالکل بجا کہ

- اسلام نے مسلمانوں کے تمام اعمال حیات کے لئے بنیادی حقیقت یہ قرار دی ہے کہ وہ متفرق، فرادی اور الگ الگ نہ ہوں بلکہ مجتمع، متحد اور کنفس واحدہ ہوں۔
- قرآن وسنت میں وحدت واجتماع پر بے حد زور دیا گیا ہے اور کفر وشرک کے بعد تفرقہ وتشتت سے سب سے زیادہ روکا گیا ہے۔
- عقیدۂ توحید سے لے کر تمام عبادات واعمال تک یہی حقیقتِ مرکزیہ جلوہ طرازی کر رہی ہے۔
- اور علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ، نیز علیکم بالجماعۃ فان الشیطان مع الفذ وھو من الاثنین ابعد، اور آمرکم بخمس بالجماعۃ، والسمع والطاعۃ، والھجرۃ و الجھاد فی سبیل اللہ وغیرہ ارشادات نبوی اتنے واضح تھے کہ ان سے صرف نظر کرنا ناممکن تھا۔

اور جو حضرات یہ کہتے تھے کہ آج ہماری حکومت نہیں ہے ہم پنجۂ استبداد کا شکار ہیں۔ نظم جماعت اور امارت شرعیہ کی بات عجیب سی لگتی ہے انہیں مولانا مانی کی طرف لیجاتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ جو فتنہ آج یورپ سے اٹھا ہے چھٹی صدی ہجری میں بعینہٖ یہی فتنہ بلاد تاتار وچین سے اٹھا تھا تمام بلادِ

شرقیہ اسلامیہ کا اس وقت بھی یہی حال تھا جو آج ہے لیکن

اس عہد کے علماء نے پہلا کام یہ کیا کہ جن بلاد پر تاتاریوں کا قبضہ و استیلاء ہو گیا تھا وہاں تنظیم جماعت اور قیام شرع کے لئے ولاۃ مسلمین کے نصب و تقرر کا حکم دیا...... شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالےٰ نے انہی بلاد محکومہ تاتار کے لئے فتویٰ دیا کہ وہاں کے مسلمانوں کو ابدا اس کفر پر قانع نہیں ہونا چاہیئے اور ایک لمحہ بھی بغیر کسی امام کے بسر نہیں کرنا چاہیئے یا تو وہاں سے ہجرت کر جائیں اور یا ایک امیر نصب کر کے اپنے فرائض شرعیہ انجام دیں۔ (خطبہ ۱۱۲)

چنانچہ ۹ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو اس سلسلے میں سب کمیٹی کا جلسہ بدایوں میں منعقد ہوا جس میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ مولانا محمد فاخر، الٰہ آبادی، مولانا عبدالماجد بدایونی مولانا محمد سجاد بہادری، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا سبحان اللہ اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری کے ساتھ ساتھ علامہ سیّد سلیمان ندوی، حکیم اجمل خان وغیرہ بھی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے اس کمیٹی نے امیر الشریعۃ فی الہند کے فرائض و اختیارات سے متعلق ایک رپورٹ مرتب کر دی جبکہ مولانا ابو المحاسن سجاد رحمہ اللہ تعالےٰ نے نظام نامہ مرتب کر کے پیش کر دیا۔ یہ تمام تفصیلات "قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد" کی مرتبہ کتاب "جمعیۃ علماء ہند کی جلد اول میں "ضمیمہ ب" کے طور پر موجود ہیں۔

جہاں تک منصب امامت کے خصائص کا تعلق تھا مولانا آزاد مرحوم مسئلہ خلافت وغیرہ میں بڑی وضاحت سے اسکو ذکر کر رہے تھے — ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جس کا قلب کتاب و سنت کے غوامض سے معمور ہو وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ہند کی موجودہ حالت پر...... ایک ایک لمحے کے اندر متغیر ہو جانے والے حوادث جنگ و صلح پر ٹھیک ٹھیک منطبق کرتے اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیہ و ملیہ کے

تحفظ و توازن کے بعد فتوی شرع صادر کرتا ہے — اور —

آج ایک ایسے عازم امر کی ضرورت ہے جو وقت کے سر و سامان کو نہ دیکھے بلکہ وقت اپنے سارے سامانوں کے ساتھ اسکی راہ تک رہا ہو! مشکلیں اس کی راہ میں غبار و خاکستر بن کر اڑ جائیں اور دشواریاں اس کے جولانِ قدم کے نیچے خس و خاشاک بن کر پس جائیں وہ وقت کا مخلوق نہ ہو کہ وقت کے حکموں کی چاکری کرے وہ وقت کا خالق و مالک ہو اور زمانہ اسکی جنبشِ لب پر حرکت کرے اگر انسان اس کی طرف سے گردن موڑ لیں تو وہ خدا کے فرشتوں کو بلائے اگر دنیا اس کا ساتھ نہ دے تو وہ آسمان کو اپنی رفاقت کے لئے نیچے اتار لے، اس کا علم مشکوۃ نبوت سے ماخوذ ہو اس کا قدم منہاج نبوت پر استوار ہو اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ حکمت رسالت کے تمام اسرار و غوامض اور معالجہ اقوام اور طبابت عہد و ایام کے تمام سرائر و خفایا اس طرح کھول دے کہ وہ صرف ایک صحیفہ کتاب و سنت اپنے ہاتھ میں لے کر دنیا کی ساری مشکلوں کے مقابلے اور ارواح و قلوب کی ساری بیماریوں کی شفا کا اعلان کر دے — وما ذالك على الله بعزيز"

مولانا آزاد اور دوسرے حضرات کی نظر اس "عازم و فاتح وقت" کے سلسلے میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن پر تھی شیخ الہند برعظیم کی سب سے بڑی علمی تحریک دیوبند کے پہلے باقاعدہ شاگرد اور اس تحریک کے بانی و موسس مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ساتھ وقت کے دیگر رجال کار مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے براہ راست فیض یافتہ تھے - انگریز کا عروج انہوں نے خود دیکھا تھا - اس نے علماً اور رؤسا کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں پر جو ستم ڈھائے تھے ان کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا اور مابقی حالات اپنے اساتذہ سے سنے تھے اپنے استاذ اکبر مولانا نانوتوی کی یادگار مدرسہ دیوبند کے وہ صدر مدرس تھے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد اتنی بڑی عظیم شخصیت بطور شاگرد انہی کی نظر آتی ہے، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عبید اللہ سندھی

علامہ محمد انور شاہ، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا منصور انصاری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد صادق کراچوی، مولانا عزیر گل اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری وغیرہم پھر اس دور کی فعال اور مخلص مسلم قیادت یعنی مولانا ابوالکلام، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، نواب مشتاق حسین وقار الملک وغیرہ سے ان کے نہ صرف تعلقات تھے بلکہ یہ سب حضرات ان کو اپنا مربی تسلیم کرتے۔ باقی الہ آباد، فرنگی محل، بدایوں اور امرتسر کے مختلف الفکر علماء کرام ان کی قیادت پہ پوری طرح مجتمع تھے۔ ۱۹۱۴ء میں مولانا آزاد نے مولانا سندھی کے توسط سے اور بعض حضرات سے خود ملکر معاملات طے کرنا چاہے لیکن شیخ الہند کے سفر حجاز اور جنگ عظیم اوّل کے سبب یہ کام کھٹائی میں پڑ گیا۔ اسارت مالٹا کے بعد شیخ الہند جلد وفات پا گئے تو اب پھر ایک عازم و فاتحِ وقت کی جستجو شروع ہوئی۔ شیخ الہند اپنی زندگی کے آخری ایام میں جبکہ وہ بالکل سفر وغیرہ سے معذور ہو کر بھی پالکی میں حیات اجتماعی کی غرض سے لکھنو، دہلی، علی گڑھ وغیرہ مارے مارے پھر رہے تھے، انہوں نے مولانا آزاد کی امارت کو علی وجہ البصیرت وقت کی ضرورت قرار دیا، فرنگی محل کے صاحب سجادہ مولانا عبدالباری بھی بالآخر راضی ہو گئے لیکن یہ المیہ ہے کہ مولانا معین الدین اجمیری نے مخالفانہ آواز اٹھائی پھر بدایوں وغیرہ سے شیخ الاسلام کی آوازیں اُٹھنے لگیں، ایسا شیخ الاسلام جو انگریز نامزد کرے اور وہ مسلمانوں کے معاملات معاشرتی کا فیصلہ کرے ـــ گویا اسی عطار کے لونڈے سے دوا لینے کی تدبیر ہونے لگی جو ملت کی بیماری کا باعث بنا تھا۔ بدایونی آواز کو قوت علامہ سید سلیمان ندوی سے بھی ملی جو مولانا آزاد کے رفیق قدیم اور جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کلکتہ ۱۹۲۶ء کے صدر بھی ہو چکے تھے لیکن اب وہ فرنگی چھتری تلے شیخ الاسلام کی بات کر رہے تھے۔ شیخ الہند کا جو باقاعدہ حلقہ تھا وہ

ہر طرح مولانا آزاد کو اہل پاتا تھا چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی کے ایک مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا سید محمد انور شاہ، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند سب مولانا کی امارت سے متفق تھے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا مولانا معین الدین اجمیری نے بہت ہنگامہ کیا حتیٰ کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی پر اثر انداز ہو کر ان کی رائے تک تبدیل کر ڈالی اور ان کے زیر اثر ان کے مرید باصفا مولانا محمد علی جوہر بھی ابوالکلام سے ایسے الرجک ہوئے کہ الامان -

میں بڑے دکھی دل کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس ضمن میں جتنے لٹریچر کا میں نے مطالعہ کیا ہے، اس کے نتیجہ میں سوائے اس کے کہ ارباب علم کے معاصرانہ جذبات اور حسد باہمی کو اس عظیم تجویز کی بربادی کا باعث قرار دوں، اور کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی -

شیخ الہند نے شدید علالت کے دوران جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے جلسہ ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی کی صدارت بھی فرمائی تھی اور خطبہ صدارت بھی ارشاد فرمایا تھا - بقول مولانا محمد میاں،

"بیماری و نقاہت کے سبب تھوڑی دیر سٹیج پر بیٹھنا دشوار تھا"

لیکن اس اجلاس کے اہم ترین ایجنڈا یعنی امیر الہند کے انتخاب کے سلسلے میں ان کے احساسات یہ تھے

"میری چارپائی اٹھا کر جلسہ گاہ میں لیجائی جائے اور یہ کام کر لیا جائے پہلا شخص جو بیعت کرے گا میں ہوں گا" (تاریخ امارت ص ۵۳)

لیکن اطباء اور معالجین نے اس مسئلہ کو ملتوی کرایا تاکہ صحت بحال ہو جائے لیکن پھر قوم کی اجتماعی صحت بگڑتی ہی چلی گئی شیخ الہند اللہ کو پیارے ہو گئے اور بات الحمد کر رہ گئی - شیخ الہند وہ بزرگ تھے جن کے متعلق امیر امان اللہ خان والی افغانستان نے پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ

"محمود الحسن ایک نور ہے جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں"

اور ترکی وزیر جمال پاشا نے جب مدینہ منورہ میں آپ سے ملاقات کی تو اس نے کہا:

"ان مختصر سی ہڈیوں میں کس قدر دین وسیاست بھری ہوتی ہے اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں"

جبکہ برطانوی حکومت کے نہایت ذمہ دار رکن سر جیمس گورنر یوپی نے کہا۔

"اگر محمود حسن کو جلا کر راکھ بھی کر دیا جائے تو اس کی راکھ بھی انگریزوں سے کترا کر گذرے گی"

اس وجود مبارک کا دُنیا سے اٹھ جانا معمولی حادثہ نہ تھا۔ مشیت الٰہی کے سامنے ہر مسلمان کا سر تسلیم خم ہے اور اس پر نہ گلہ ہے نہ شکوہ بلکہ حدیث نبویؐ کے مطابق اس صدمۂ عظیم پر آج بھی انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنا ضروری ہے لیکن جو بات سب سے زیادہ رنج و الم کا باعث ہے وہ ہے اس منصوبہ کا زیر وزبر ہونا جو اگر اصلی شکل میں سامنے آجاتا تو برعظیم کا رنگ کچھ اور ہوتا اور آج ہندوستان کی سرزمین پر مسلمان کا وجود اور ادھر دانشوران بے ننگ و نام کے ہاتھوں اُن کا عقیدۂ دینی عرض خطر میں نہ ہوتا۔

مرکزی سطح پر جب نقشہ نہ ابھر سکا تو مخلص حضرات نے اپنے اپنے مقام پر اس سلسلے میں جہد وسعی شروع کر دی کیا عجب کہ یہی سلسلہ آگے چل کر نظم باہمی کا سبب بن جائے اس سلسلے میں جہاں تک میری نظر پڑتی ہے دو صوبے ایسے ہیں جہاں کام کی ابتدا ہوئی یعنی بہار و اڑیسہ اور پنجاب۔ ان میں اوّلیت کا سہرا بہار و اڑیسہ کے سر ہے اور اس میں دراصل رُوح عمل کارفرما تھی مولانا ابوالمحاسن سجاد رحمہ اللہ تعالےٰ کی ۔ جو ایک وقت میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی رہے، ایسی خوبیوں اور کمالات کے لوگ کم ہی پیدا ہوتے ہیں بقول مولانا عبدالماجد دریاآبادی

"مولانا سجاد کی ذات وقت کی بہت مغتنم ہستیوں میں تھی علماً بھی، عملاً بھی، فکر و نظر کی رسائیوں کے لحاظ سے بھی، اخلاص و ایثار کی گہرائیوں کے لحاظ سے بھی۔"

یہی مولانا سجاد بہار میں اس کا باعث بنے اور انہوں نے سوچا کہ ہم جتنا کچھ کر سکتے ہیں کر گذریں، ندوۃ العلماء کے بانی مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے خلف الرشید مولانا منت اللہ رحمانی آج بھی وہاں نائب امیر شریعت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں رحمانی سلسلہ کے ایک بزرگ مولانا عبدالصمد نے "تاریخ امارت" میں پھلواری شریف (بہار) کے اجلاس ۱۹۲۱ء کا ذکر کیا ہے جسمیں ابتدائی تجویز پاس ہوئی پھر جون ۱۹۲۱ء میں علماء کرام کا اجلاس مولانا آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولانا شاہ بدرالدین امیر شریعت اور مولانا سجاد نائب قرار پائے۔ ان تمام حضرات بالخصوص مولانا سجاد کو مولانا آزاد نے زبردست خراج تحسین پیش کیا اور سچ پوچھیں تو اس محنت کا سہرا مولانا سجاد کے سر ہے یا پھر مولانا آزاد کے سر جنہوں نے رانچی (بہار) کی نظر بندی کے دوران ان حضرات سے رابطہ قائم کر کے اس کام کی بنیاد فراہم کی۔

میری معلومات کی حد تک تقسیم ملک تک بہار و اڑیسہ کے سوا کسی دوسری جگہ یہ نظم صوبائی سطح پر قائم نہ ہو سکا بعض انفرادی واقعات اپنی جگہ ہیں تاہم تازہ معلومات کے بعد اب بعض دوسرے صوبوں میں ایسی کوششیں بارآور ہونے لگی ہیں اور بہار میں تو الحمد للہ مسلمانوں کی اس معاملہ میں بے پناہ خدمت ہو رہی ہے۔

ادھر لاہور میں ۱۹۲۶ء میں مولانا احمد علی قدس سرہٗ کی انجمن خدام الدین کا سالانہ جلسہ ہوا تو اس میں پانچ صد سے زائد علماء کرام شریک تھے انمیں علامہ انور شاہ، مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین علی وان بچھراں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر علی خاں اور السید عطاء اللہ شاہ بخاری

جیسے حضرات موجود تھے اسی جلسہ کے موقعہ پر علامہ اقبال مرحوم نے غایت درجہ عقیدت مندی کے ساتھ علامہ انور شاہ کو اپنے گھر دعوت دی جسے شاہ صاحب نے قبول فرمایا اور پھر علامہ سے انکے مسلسل تعلقات رہے بلکہ بعض وجوہ سے محدّث کاشمیری علامہ کے محسن قرار پائے - اسی جلسہ کے موقعہ پر سر شفیع نے علامہ شبیر احمد عثمانی کی تقریر سن کر کہا "کاش میری ماں نے مجھے اُس درسگاہ میں بغرضِ تعلیم بھیجا ہوتا جسمیں مولانا عثمانی نے تعلیم حاصل کی ہے" - بہرحال اس جلسہ کے موقعہ پر انہی ملّی مقاصد کے لئے السید عطاء اللہ شاہ بخاری کو حضرت مولانا انور شاہ کی تحریک پر امیر شریعت قرار دیا گیا اور پہلی بیعت شاہ صاحب نے خود کی - اس حلقہ کو قادیانی فرقہ سے نبرد آزما ہونا پڑا اور پورا پنجاب وکشمیر جو بوجوہ قادیانیت کی زد میں تھا امیر شریعت اور ان کے رفقا کے سبب بفضل اللہ والمنّہ اس فتنہ ضالہ سے بچا جبکہ اصلاحِ عقائد و رسوم معاشرت و معاملات کا بھی وسیع پیمانے پر کام ہوا جسکی تاریخ مرتب ہونا ضروری ہے

حضرات گرامی! اس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے آخر میں اتنی بات عرض کرنا ضروری ہے کہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مسلم معاشرہ کی شیرازہ بندی، اجتماعیت اور نظمِ جماعت کتنا ضروری ہے؟ یہ نماز و روزہ کی طرح کا فرض بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہم ذمہ داری ہے - لیکن یہ معاملہ جتنا اہم ہے اتنے ہی ہم اس سے غافل ہیں - ایک مسلم ملک میں مخصوص مقاصد کے لئے درجنوں پارٹیوں کا ہونا - پھر ہر پارٹی کے اندر دو دو تین تین شاخیں؛ یہ اس امت کے لئے اتنا بڑا عذاب و ابتلا ہے جس کا وہ لوگ تو اندازہ کر سکیں گے جنکی قرآن و سنت پر کسی قدر نظر ہے - باقی جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ کما حقہ نہ اسکی اہمیت سے واقف اور نہ اس کے فقدان سے پیدا ہونے والے بُرے اثرات سے آگاہ — اور جیسا کہ میں نے کہا مخصوص مقاصد کے تحت پارٹی بازی اور وہ مقاصد بھی انتہائی گھٹیا — یہ بات کسی مسلم معاشرہ کو زیب

نہیں دیتی - ایک مسلم معاشرہ میں حزب اللہ اور حزب الشیطان کے بعد کوئی تقسیم نہیں - مدارس و مسالک کی بنیاد ہو یا کوئی دوسری بنیاد، اس پر امت کی تقسیم و تشتت اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے جو آج مسلسل بے چینی و اضطراب کی شکل میں ہم پر مسلط ہے - اس لئے ضرورت ہے کہ ارباب دانش و بینش، اصحاب حوصلہ و ہمت اور قرآن و سنت کے غوامض و اسرار سے واقف حضرات ملت کی کشتی کو کنارے لگانے اور اس کو بھنور سے نکالنے کی تدبیر کریں، سر جوڑیں ایک "عازم و فاتح وقت" کی قیادت کو اپنا کر طاغوت کی ہر پسندیدہ شکل سے لڑ جائیں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک یکون الدین کلہ للہ کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے مسلمان قوم تمام تر جدید مادی وسائل سے لیس ہو لیکن اسے نفس مطمئنہ نصیب ہو وہ قلب غافل کے بجائے انابت و رجوع الی اللہ کی نعمت سے مالا مال ہو وہ با تیل رہبان اور بالنہار فرسان کی سرمدی حقیقت کو پاکر اس پر عامل ہو جائے تو اس کا سر بلند ہو سکتا ہے، اس دنیا میں بھی اور آنے والی دنیا میں بھی - لیکن اس کے لئے بنیادی شرط وحدت و نظم جماعت ہے کج کلاہی گوشوں میں اسلام اور اسلامی اقدار کی ترویج کی بات اپنے اندر جتنی حقیقت لئے ہوئے ہے اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں کہ اس سے ہر شخص واقف و آگاہ ہے میرا پیغام صرف اتنا ہے کہ اعتصام بحبل اللہ کے قرآنی حکم پر عمل پیرا ہو کر حزب اللہ کی سنہری زنجیر میں پرویا جانا ہماری ضرورت ہے - اور دیکھنا یہ ہے کہ اس آواز حق پر کون کان دھرتا ہے؟

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ

قاری نصیر احمد غزنوی

قادیانیت، اپنے لٹریچر کے آئینے میں

تیسری قسط

معیارِ نبوّت

خدا تعالیٰ کا قدیم قانون اور سنّتِ الٰہی یہی ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو منصب دعوت یعنی نبوّت وغیرہ پر مامور کرتا ہے جو اعلیٰ خاندان میں سے ہوں... یہی وجہ ہے جو تمام نبی علیہم السلام اعلیٰ قوم اور خاندان سے آتے رہے ہیں۔ (ضمیمہ تریاق القلوب ۲ ص ۲۸۰/۱۵۲ و ص ۲۸۱/۱۵۳)

پہلا رُخ

خدا تعالیٰ نے بذریعہ اپنے الہام کے مجھے یہ حجت بھی سکھلائی ہے کہ ان کو کہہ دے کہ رسول اور نبی اور سب جو خدا کی طرف سے آتے ہیں اور دینِ حق کی دعوت کرتے ہیں وہ قوم کے شریف اور اعلیٰ قوم میں سے ہوتے ہیں... سو میرا خاندان ایسا ہی ہے۔ (تریاق القلوب - ص ۲۸۵/۱۵۷)

مرزا صاحب کے دعاوی و اقوال ذہن میں رکھیں۔

مَیں اپنے خاندان کی نسبت کئی دفعہ لکھ چکا ہوں کہ وہ ایک شاہی خاندان بنی فارس ہے اور بنی فاطمہؓ کے خون سے ایک معجون مرکب ہے یا شہرت عام کے لحاظ سے یوں کہو کہ وہ خاندان مغلیہ اور خاندان سیادت سے ایک ترکیب یافتہ خاندان ہے۔ (تریاق القلوب ص ۲۸۶/۱۵۸ و ص ۲۸۷/۱۵۹)

(۱)

دُوسرا رُخ

میرے جیسے بیکس تنہا کے لیے ان تمام امور کا جمع ہونا بظاہر ناکامی کی ایک علامت تھی بلکہ ایک سخت ناکامی کا سامنا تھا کیونکہ کوئی پہلو بھی درست نہ تھا۔ اوّل مال کی ضرورت ہوتی ہے سو اس وحی الٰہی کے وقت تمام ملکیت ہماری تباہ ہو چکی تھی

اور ایک بھی ایسا آدمی ساتھ نہ تھا جو مالی مدد کر سکتا۔ دوسرے میں کسی ایسے ممتاز خاندان میں سے نہیں تھا جو کسی پر میرا اثر پڑ سکتا۔

میری دعوت کی مشکلات میں ایک رسالت اور وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا۔ (نصرۃ الحق یعنی براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۶۸ ص۶۹)

(۲)

اس زمانہ میں کہ میں ایک گمنام اور اکیلا اور نہایت کم درجہ کی حیثیت کا انسان تھا اور اس قدر کم حیثیت تھا کہ قابل ذکر نہ تھا اور کسی ایسے ممتاز خاندان سے نہ تھا جس کی نسبت توقع ہو سکتی تھی کہ بآسانی لوگ اس پر جمع ہو جائیں گے۔

(نصرۃ الحق یعنی براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۵ ص۷)

(۳)

ایسے گمنامی کے زمانے میں جس کو پچیس برس گذر گئے اور میں کچھ بھی چیز نہ تھا۔ اور کسی قسم کی شہرت نہ رکھتا تھا اور کسی بزرگ خاندان پیرزادگی سے نہ تھا تا رجوع خلائق سہل ہوتا۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵، ص۵۹)

پہلا رُخ

رہا یہ سوال کہ محمد حسین کو کچھ زمین مل گئی ہے یعنی بجائے ذلت کے عزت مل گئی ہے یہ نہایت بیہودہ خیال ہے... کنز العمال کی کتاب المزارعۃ میں یعنی صفحہ ۳، میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث موجود ہے لا تدخل سکۃ الحرث علیٰ قوم الا ذلھم اللہ (طب عن ابن یمامہ) یعنی کھیتی کا لوہا اور آلہ کسی قوم میں نہیں آتا جو اس قوم کو ذلیل نہیں کرتا۔ پھر اسی صفحہ میں ایک دوسری حدیث ہے۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی شیئاً من آلۃ الحرث فقال لا یدخل ھذا بیت قوم الا دخلہ الذل (خ۔ عن ابن یمامہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آلہ زراعت کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ آلہ کسی قوم کے گھر میں داخل نہیں ہوتا مگر اس قوم کو ذلیل کر دیتا ہے۔ اب دیکھو ان احادیث سے صریح طور پر ثابت ہے کہ جہاں کاشتکاری کا آلہ ہوگا وہیں ذلت ہوگی... جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر ایمان رکھتا ہے اس کو ماننا پڑے گا کہ کسی کے گلے میں

کاشتکاری کا سامان پڑنا یہ بھی ایک قسم کی ذلّت ہے۔

(ضمیمہ تریاق القلوب ع۲ ص۴۴۹/۳۲۱ و ص۱۴۰)

دُوسرا رُخ

مَیں اس بات کو چھپا نہیں سکتا کہ کئی پشت سے میرے خاندان میں زمینداری چلی آتی ہے اور اب بھی ہے۔۔۔ حدیثوں کو پڑھو کہ وہ آخری زمانہ میں آنے والا اور اس زمانہ میں آنے والا کہ جب قریش سے بادشاہی جاتی رہے گی اور آل محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک تفرقہ میں پڑی ہوگی زمیندار ہی ہوگا اور مجھ کو خدا تعالےٰ نے خبر دی ہے وہ مَیں ہوں۔ احادیث نبویہ میں صاف لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مؤید دین وملّت پیدا ہوگا اور اس کی یہ علامت ہوگی کہ وہ حارث ہوگا یعنی زمیندار ہوگا۔۔۔ اب سوچو زمیندار ہونا تو میرے صدق کی ایک علامت ہے۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام حصّہ اوّل ص۳۰۴)

(۲)

عقلمند لوگ جانتے ہیں کہ ایک دیانت دار زمیندار اپنے کاشتکاروں سے ایسا برتاؤ رکھ سکتا ہے جو بحیثیت پورے متقی اور کامل پرہیز گار کے ہو اور زمینداری اور نکوکاری میں کوئی حقیقی مخالفت اور ضد نہیں۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام حصہ اوّل ص۳۰۴)

پہلا رُخ

یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا کیوں کہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے۔۔۔ لیکن اگر کوئی زبان ایسی ہو کہ ملہم کو خوب یاد ہو اور گویا اس کی زبان کے حکم میں ہو تو بسا اوقات ملہم کو اس زبان میں الہام ہو جاتا ہے۔

(چشمۂ معرفت - دوسرا حصّہ ص۲۱۸)

دُوسرا رُخ

ایک دفعہ جس کو عرصہ قریباً بائیس برس کا گذرا ہے۔ ایک انگریزی خوان میرے ملنے کے لیے آیا تو اس کے روبرو ہی یہ الہام ہوا دِس از مائی اینیمی یعنی یہ میرا دشمن ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ الہام اسی کی نسبت ہے۔ پھر اس سے اس الہام کے معنے دریافت کیے گئے اور آخر وہ ایسا ہی نکلا۔ (تریاق القلوب ص۲۶۵/۱۳۷ ص۴۶)

زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں جیسے۔ انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔
(نزول المسیح ص۴۳۵/۵۹ ص۵۷)

اللہ تعالیٰ و انبیاء علیہم السلام و آسمانی کتابوں، شریعت و مذہب اسلام و اہلِ اسلام سے متعلق مرزا صاحب کے ارشادات

خدا تعالیٰ کی توہین

پھر وہ خدا جو مُردہ کی مانند ہے پڑا — پس کیا امید ایسے سے اور خوف اس سے کیا
ایسے خدا کے خوف سے دل کیسے پاک ہو — سینہ میں اسکے عشق سے کیوں کر تپاک ہو

(نصرۃ الحق ص۱۷ ص۸)

وہ مذہب کس کام کا مذہب ہے جو زندہ خدا کا پرستار نہیں بلکہ ایسا خدا ایک مُردے کا جنازہ ہے جو صرف دوسروں کے سہارے سے چل رہا ہے۔ سہارا الگ ہوا اور وہ زمین پر گرا۔ (نصرۃ الحق ص۱۹ ص۲۸)

زندہ ایمان لانا ہرگز ممکن نہیں جب تک انسان زندہ خدا کی تجلیات اور آیاتِ عظیمہ سے فیض یاب نہ ہو۔ (نصرۃ الحق ص۲۱ ص۳۰)

اور ایسے فرضی خدا کی پیروی ایسی ہے جیسے ایک مُردہ سے توقع رکھنا کہ وہ زندوں جیسے کام کرے گا۔ ایسے خدا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے جو ہمیشہ تازہ طور پر اپنے وجود کو ثابت نہیں کرتا وہ ایک بُت ہے جو نہ بولتا ہے اور نہ سُنتا ہے نہ سوال کا جواب دیتا ہے۔ (نصرۃ الحق ص۲۲ ص۳۱)

حقیقی خدا دانی تمام اس پر منحصر ہے کہ اس زندہ خدا تک رسائی ہو جائے جو اپنے مقرب انسانوں سے نہایت صفائی سے ہمکلام ہوتا ہے۔ جس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے بولتا ہے ایسا ہی یقینی طور پر بکلّی شک و شبہ سے پاک ہے۔

ان کی باتیں سُنتا ہے ان سے باتیں کرتا ہے اور ان کا جواب دیتا ہے۔

(نصرۃ الحق صد۲۲ صد۳۱)

جب تم خود مانتے ہو کہ خدا دعاؤں کو سنتا ہے پس سست ایمانوں اور دلوں کے اندھو جب کہ وہ سُن سکتا ہے تو کیا وہ بول نہیں سکتا؟ اور جبکہ سُننے میں اس کی کوئی ہتک عزت نہیں تو پھر اپنے بندوں کے ساتھ بولنے سے کیوں اس کی ہتک عزت ہو گئی؟ ورنہ یہ اعتقاد رکھو کہ جیسا کہ کچھ مدت سے الہام پر مہر لگ گئی ہے ویسا ہی اسی مدت سے خدا کی شنوائی پر بھی مہر لگ گئی ہے اور اب خدا نعوذ باللہ صُمٌّ بُکمٌ میں داخل ہے۔ کیا کوئی عقل مند اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ اس زمانہ میں خدا سُنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ پھر بعد اس کے یہ سوال ہو گا کہ کیوں نہیں بولتا۔ کیا زبان پر کوئی مرض لاحق ہو گئی ہے مگر کان مرض سے محفوظ ہیں... تو پھر کیا وجہ ہے کہ سننے کی صفت تو اب تک ہے مگر بولنے کی صفت معطل ہو گئی ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صد۱۴۵ صد۳۱۲)

خدا شناسی کسی طرح ممکن نہیں جب تک خدا کو اس کی تازہ قدرتوں اور تازہ نشانوں کے ساتھ شناخت نہ کیا جائے ورنہ بغیر اس کے خدا پرستی بھی بُت پرستی ہے۔ کیونکہ جب خدا محض ایک بُت کی طرح ہے جو سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ کوئی قدرت دکھلا سکتا ہے تو اس میں اور بُت میں فرق کیا ہے۔ زندہ خدا کی علامات چاہئیں اور اگر وہ ہمارے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ کوئی قدرت دکھلا سکتا ہے تو کیونکر معلوم ہو کہ وہ موجود ہے۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صد۶۱۵ صد۶۱۶)

نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا جب تک موسیٰ اور مسیح اور ابراہیم اور یعقوب اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نئے معجزات نہ دکھائے جائیں۔ نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو یقین نیا ہو نشان نئے ہوں اور دوسرے لوگ قصے کہانیوں میں گرفتار ہیں... سچا مذہب وہی ہے جس کے ساتھ نمونہ ہے۔

(تریاق القلوب صد $\frac{۹۷}{۳۶۹}$)

مذہب کی توہین

یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہِ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا جو کچھ ہیں قصّے ہیں۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانے میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہو گا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں۔ نہ کہ رحمانی۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور اندھا رکھتا ہے اور اندھا ہی مارتا ہے اور اندھا ہی قبر میں لے جاتا ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۱۸۴ صـ۳۵۴)

ہر ایک طالبِ حق کے لیے ضروری ہوا کہ اس جہان میں آنکھوں کا نور تلاش کرے اور اس زندہ مذہب کا طالب ہو جس میں زندہ خدا کے انوار نمایاں ہوں۔ وہ مذہب مُردار ہے جس میں ہمیشہ کے لیے یقینی وحی کا سلسلہ جاری نہیں۔ کیوں کہ وہ انسانوں پر یقین کی راہ بند کرتا ہے۔ اور ان کو قصوں کہانیوں پر چھوڑتا ہے اور ان کو خدا سے نومید کرتا ہے اور تاریکی میں ڈالتا ہے۔ (نزول المسیح صـ ۴۶۹/۹۳ صـ۹۱)

دین کی توہین

وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الٰہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابلِ نفرت ہے جو یہ سکھلاتا ہے کہ صرف منقولی باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الٰہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور خدائے حی و قیوم کی آواز سننے اور اس کے مکالمات سے قطعی نومیدی ہے۔ سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اس کو رحمانی کہیں شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے دین وہ دین ہے جو تاریکی سے نکالتا ہے اور نور میں داخل کرتا ہے۔ سو ایک امتی کو اس طرح کا نبی بنانا

سچے دین کی لازمی نشانی ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۹ ص۳۰۶)

جس دین میں یہ قوت نہیں کہ اس کمال تک پہنچا دے اور اپنے سچے پیروؤں کو خدا کا ہمکلام بنا دے وہ دین منجانب اللہ نہیں۔ (لیکچر لاہور ص۱۶ ص۱۶۲/۱۶)

تمام اُمت محمدیہ کی توہین

بعض خشک ملّاؤں کو یہاں تک انکار میں غلو ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مکالماتِ الٰہیہ کا دروازہ ہی بند ہے۔ اور اس بدقسمت امت کے نصیب میں نہیں کہ یہ نعمت حاصل کر کے اپنے ایمان کو کامل کرے اور پھر کشش ایمانی سے اعمالِ صالحہ کو بجالاوے۔ ایسے خیالات کا یہ جواب ہے کہ اگر یہ امت درحقیقت ایسی ہی بدبخت اور اندھی اور شر الامم ہے تو خدا نے کیوں اس کا نام خیر الامم رکھا بلکہ سچ بات یہ ہے کہ وہی لوگ احمق اور نادان ہیں جو ایسے خیالات رکھتے ہیں... کیا خدا تعالیٰ نے وہ دعا سکھلا[1] کر صرف دھوکہ ہی دیا ہے اور ایسی ناکارہ اور ذلیل امت میں کیا خیر ہو سکتی ہے جو بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی گئی گزری ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۴۳ ص۳۱۰ ص۳۱۱ ص۱۴۴)

اسلام، اہلِ اسلام اور نبی اکرمؐ کے معجزات کی توہین

اگرچہ قصہ اور نقل کے طور پر تمام اہلِ اسلام اس بات کو مانتے ہیں کہ خدا موجود ہے اور اس کا رسول برحق مگر یہ ایمان کوئی یقینی بنیاد نہیں رکھتا اس لیے ایسے ضعیف ایمان کے ذریعہ سے یقینی رنگ کے آثار ظاہر ہونا، گناہ سے سچی نفرت کرنا غیر ممکن ہے اور بوجہ اس کے کہ اسلام پر تیرہ سو برس گزر گئے تمام معجزات گذشتہ بزنگ نقول اور قصص ہو گئے۔ (نزول المسیح ص۱۰۸ ص۴۸۴/۱۱۰)

تمام آسمانی کتابوں کی توہین

جس شریعت کو خدا تعالیٰ منسوخ کر دیتا ہے اس شریعت کی پیروی کرنے والوں کے دل مسوخ ہو جاتے ہیں اور ان میں کوئی باقی نہیں رہ جاتا جس پر تازہ

---

[1] انعمت علیہم۔

کلام وارد ہو تب وہ کتاب ایک متعفن پانی کی طرح ہو جاتی ہے جس کے ساتھ بہت کیچڑ اور گند مل گیا ہے۔ اور ایسی شریعت سے انسانوں کو کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے ہاتھ میں صرف قصے رہ جاتے ہیں اور آسمان کا تازہ پانی یعنی تازہ کلامِ الٰہی ان کے پاس نہیں آتا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ خدا نے ان کو چھوڑ دیا ہے خلاصہ کلام یہ کہ مردود مذہب کی نشانی ہے کہ تازہ کلام کا نور اس میں پایا نہیں جاتا اور وہ لوگ ہمیشہ اس کلام پر بھروسہ رکھتے ہیں جس کو تازہ کلامِ الٰہی تصدیق نہیں کرتا۔ اور نہ تازہ نشان تصدیق کرتے ہیں۔۔۔ اس تمام بیان کا خلاصہ در خلاصہ یہ ہے کہ تازہ کلامِ الٰہی شریعت کا پشتیبان ہے۔ اس لیے بار بار کہا جاتا ہے کہ کلامِ الٰہی سے مراد وہی کلام ہے جو زمانہ کے لیے تازہ طور پر اترتا ہے۔

(نزول المسیح صہ۱۱۴ صہ ۴۹۲/۱۱۶)

جب نبوّت کا زمانہ گذر جاتا ہے اور خدا کا کلام قصوں کے رنگ میں پڑھا جاتا ہے تب یہ غرض مفقود ہو جاتی ہے اور دلوں میں اس کلام پر یقین نہیں رہتا۔

(نزول المسیح صہ۴۹۱/۱۱۵ صہ۱۱۲)

تمام فرقوں کی توہین

مسیح موعود کا زمانہ[1]۔۔۔ پھر لوگوں کو صحابہ کے رنگ میں لائے گا اور آسمان سے کچھ ایسی ہوا چلے گی کہ بہتر فرقے مسلمانوں کے جن میں سے بجز ایک[2] کے سب عار اسلام اور بدنام کنندہ اس پاک چشمہ کے خود بخود کم ہوتے جائیں گے۔ اور تمام ناپاک فرقے جو اسلام میں مگر اسلام کی حقیقت کے منافی ہیں۔ صفحۂ زمین سے نابود ہو کر ایک ہی فرقہ رہ جائے گا (یعنی فرقہ احمدیہ) (تحفہ گولڑویہ)

ہم اس بات سے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور ان کی نبوّت پر ایمان لاویں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو ان کی شان بزرگ کے خلاف

---

[1] مسیح موعود سے مراد مرزا صاحب ہیں۔ [2] یعنی فرقہ احمدیہ۔

ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔ اشتہار عام اطلاع کے لیے۔

المشتہر

مرزا غلام احمد از قادیان

(ایام الصلح ص ۲۲۸/۲)

مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابنِ مریم کی عزت نہیں کرتا بلکہ مسیح تو مسیح میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں کیونکہ پانچوں ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ نہ صرف اس قدر بلکہ میں حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیروں کو بھی مقدس سمجھتا ہوں کیونکہ یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگانِ قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیوں کر نکاح کیا گیا اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا اور تعدد ازدواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی یعنی باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی ہونے کے پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آوے مگر میں کہتا ہوں کہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں اس صورت میں وہ لوگ قابلِ رحم تھے نہ کہ قابلِ اعتراض۔ (کشتی نوح ص ۳۶، ۳۷۔ چھوٹی تقطیع)

آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کیسی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا مگر شاید یہ بھی خدائی کے لیے ایک شرط ہوگی۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت تھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگاوے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۹۱)

عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔۔۔ ممکن ہے آپ نے معمولی تدبیر سے کسی شب کور وغیرہ کو

اچھا کیا ہو یا کسی اور ایسی بیماری کا علاج کیا ہو مگر آپ کی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اس تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے اور اس تالاب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر آپ سے کوئی معجزہ بھی ظاہر ہوا ہو تو وہ معجزہ آپ کا نہیں بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے اور آپ کے ہاتھ میں سوا مکر و فریب کے اور کچھ نہیں تھا۔ (ضمیمہ انجام آتھم صـ۲۹۱)

حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل صـ۲۵۴ صـ۳۰۳)

(یعنی اسلام) نہ عیسائی مذہب کی طرح یہ سکھلاتا ہے کہ خدا نے ایک انسان کی طرح ایک عورت کے پیٹ سے جنم لیا اور نہ صرف نو مہینہ تک خون حیض کھا کر ایک گنہ گار جسم سے جو بنت سبع اور تمر اور راحاب جیسی حرام کار عورتوں کے خمیر سے اپنی فطرت میں ابنیت کا حصہ رکھتا تھا خون اور ہڈی اور گوشت حاصل کیا بلکہ بچپن کے زمانہ میں جو جو صعوبتیں ہیں جیسے خسرہ چیچک دانتوں کی تکلیف وغیرہ وہ سب اٹھائیں اور بہت سا حصہ عمر کا معمولی انسانوں کی طرح کھو کر آخر موت کے قریب پہنچ کر خدائی یاد آگئی۔ (معیار المذاہب۔ صـ۴۸۸/۳۰)

یہ بات اس کی صفت حیّ و قیوم ہونے کے مخالف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے ہی اپنے فعل اور قول میں ظاہر کر چکا ہے کہ وہ ازلی ابدی اور غیر فانی ہے اور موت اس پر جائز نہیں — ایسا ہی یہ بھی نہیں کہہ سکتے وہ کسی عورت کے رحم میں داخل ہوتا اور خون حیض کھاتا اور قریباً نو ماہ پورے کر کے سیر ڈیڑھ سیر کے وزن پر عورتوں کی پیشاب گاہ سے روتا چلاتا پیدا ہو جاتا ہے اور روٹی کھاتا اور پاخانہ جاتا اور پیشاب کرتا اور تمام دُکھ اس فانی زندگی کے اُٹھاتا ہے اور آخر چند ساعت جان کندنی کا عذاب اٹھا کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو جاتا ہے۔

(معیار مذہب۔ صـ۴۸۹/۳۱)

یہ بات غیر معقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے کہ جب لوگ نماز کے لیے مساجد کی طرف دوڑیں گے وہ کلیسا کی طرف بھاگے

گا اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ انجیل کھول بیٹھے گا اور جب لوگ عبادت کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ کریں گے تو وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوگا اور شراب پیئے گا اور سؤر کا گوشت کھائے گا اور اسلام کے حلال و حرام کی کچھ پرواہ نہیں رکھے گا۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۹ ص۳۱/۳۱)

ایسا ہی عیسیٰ بن مریم مریم کے خون سے اور مریم کی منی سے پیدا ہوا اور پھر خدا نے کہا ہو جا سو ہو گیا۔ پس اتنی سی بات میں کونسی خدائی اور کونسی خصوصیت اس میں پیدا ہو گئی موسم برسات میں ہزار ہا کیڑے مکوڑے بغیر ماں اور باپ کے زمین سے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں کوئی ان کو خدا نہیں ٹھیراتا۔

(نصرۃ الحق سنہ ۷ صنہ ۵ ص۵)

مگر خدا نے ان کو (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) پیدائش میں بھی اکیلا نہیں رکھا بلکہ کئی حقیقی بھائی اور کئی حقیقی بہنیں ان کی ایک ہی ماں سے تھیں مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اکیلے تھے نہ کوئی دوسرا بھائی تھا نہ بہن۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۰ ص۲۶۲)

میں کہتا ہوں (حضرت عیسیٰ کو) اُترنا تو کیا آسمان پر جانا ہی نصیب نہیں ہوا یہی رائے یورپ کے محقق علماء کی بھی ہے بلکہ وہ صلیب پر سے نیم مُردہ ہو کر بچ گئے اور پھر پوشیدہ طور پر بھاگ کر ہندوستان کی راہ سے کشمیر میں پہنچے اور وہیں فوت ہوئے۔ (چشمہ مسیحی ص۱۰ ص۳۴/۱۲)

وہ صرف ایک عاجز انسان تھا اور تمام انسانی ضعفوں سے پورا حصہ رکھتا تھا اور وہ اپنے چار حقیقی بھائی اور رکھتا تھا جو بعض اس کے مخالف تھے اور اس کی حقیقی ہمشیرہ دو تھیں۔ کمزور سا آدمی تھا جس کو صلیب پر محض دو میخوں کے ٹھونکنے سے غش آ گیا۔ (تذکرۃ الشہادتین ص۲۵/۲۵ ص۲۳)

تمام انبیاء علیہم السلام کی توہین

جیسا کہ وحی تمام انبیاء علیہم السلام کی حضرت آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک از قبیل اضغاث احلام و حدیث النفس نہیں ہے۔ ایسا ہی یہ وحی بھی ان

شبہات سے پاک و منزہ ہے اور اگر کہو کہ اس وحی کے ساتھ جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو ہوئی تھی معجزات اور پیشگوئیاں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ اکثر گذشتہ نبیوں کی نسبت بہت زیادہ معجزات اور پیشگوئیاں موجود ہیں بلکہ بعض گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور پیشگوئیوں کو ان معجزات اور پیشگوئیوں سے کچھ نسبت ہی نہیں اور نیز ان کی پیشگوئیاں اور معجزات اس وقت محض بطور قصوں اور کہانیوں کے ہیں مگر یہ معجزات اور پیشگوئیاں ہزار ہا لوگوں کے لیے واقعات چشم دید ہیں اور اس مرتبہ اور شان کے ہیں کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں یعنی دنیا میں ہزار ہا انسان ان کے گواہ ہیں مگر گذشتہ نبیوں کے معجزات اور پیشگوئیوں کا ایک بھی زندہ گواہ پیدا نہیں ہو سکتا باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے معجزات اور پیشگوئیوں کا میں زندہ گواہ موجود ہوں اور قرآن شریف زندہ گواہ موجود ہے اور میں وہ ہوں جس کے بعض معجزات اور پیشگوئیوں کے کروڑ ہا انسان گواہ ہیں۔

(نزول المسیح ص ۸۲ ، ص ۴۶ / ۸۴ ، دص ۴۶ / ۸۵ ص ۸۳)

درحقیقت اکثر گذشتہ نبیوں کے معجزات کی نسبت یہ معجزات اور پیشگوئیاں ہر ایک پہلو سے بہت قوی اور بہت زیادہ ہیں۔ اگر کوئی اندھا انکار کرے تو ہم موجود ہیں اور ہمارے گواہ موجود ہیں ولیس الخبر کالمعاینۃ پھر جس حالت ہیں صدہا نبیوں کی نسبت ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سبقت لے گئی ہیں تو اب خود سوچ لو اس وحی الٰہی کو اضغاث احلام اور حدیث النفس کہنا درحقیقت تمام نبیاء علیہم السّلام کی نبوّت سے انکار کرنا ہے۔ (نزول المسیح ص ۸۴ ص ۴۶۲ / ۸۶)

یوسف علیہ السلام کی توہین

اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے کیوں کہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی قید سے بچایا گیا مگر یوسف بن یعقوب کو قید میں ڈالا گیا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۹۹)

سیّد المرسلین خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی توہین

گویا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نعوذ باللہ زندہ چراغ نہیں ہیں بلکہ مردہ

چراغ ہیں جن کے ذریعہ سے دوسرا چراغ روشن نہیں ہوسکتا۔ نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کو ظلی طور پر نبوت کے کمالات سے متمتع کر دے اور روحانی امور میں اس کی پوری پرورش کر کے دکھلا دے اسی پرورش کی غرض سے نبی آتے ہیں اور ماں کی طرح حق کے طالبوں کو گود میں لے کر خدا شناسی کا دودھ پلاتے ہیں پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ دودھ نہیں تھا تو نعوذ باللہ آپ کی نبوت ثابت نہیں ہو سکتی۔ (چشمۂ مسیحی ص۴۷ ، ص۳۸۸/۵۶)

کیا ہم ختم نبوت کے یہ معنی کر سکتے ہیں کہ وہ تمام برکات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ملنی چاہئیں تھیں وہ سب بند ہو گئے اور اب خدا تعالیٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ کی خواہش کرنا لا حاصل ہے۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ کیا یہ لوگ بتلا سکتے ہیں کہ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا کیا فائدہ ہوگا۔

(چشمۂ مسیحی ص۳۸۳/۵۱ ص۶۸)

ایسا نبی کیا عزت اور کیا مرتبت اور کیا تاثیر اور کیا قوت قدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کے دعوے کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں، اور خدا تعالیٰ اپنے مکالمات و مخاطبات سے ان کی آنکھیں نہ کھولے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم ص۱۵۳ ص۱۸۴)

ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ردّ شدہ انسان کی طرح مکّہ کی گلیوں میں پھرتے رہے۔ (نجم الہدیٰ ص۲۸)

ایسا ہی لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسیح وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن کیا جائے گا لیکن وہ اس بے ادبی کو نہیں سمجھتے تھے کہ ایسے نالائق اور بے ادب کون آدمی ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کھود دیں گے۔ اور یہ کس قدر لغو حرکت ہے کہ رسولِ مقبول کی قبر کھودی جائے اور پاک نبی کی ہڈیاں لوگوں کو دکھائی جاویں۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۴۷۰ ص۱۷۰)

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمسری کا دعویٰ

اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ذو نسب ہوں اور اس کی پاک مٹی کا مجھ

میں خمیر ہے۔ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح صا ۱۸۳/۷۹)

پس میں احمد ہوں اور میں محمد ہوں جیسا کہ روایات میں آیا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ناموں کی حقیقت عطا فرمائی گئی ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۱۶۵/۴۷ ص ۱۴)

اور اس کے معجزات میں سے معجزانہ کلام بھی تھا۔ اسی طرح مجھے وہ کلام دیا گیا جو سب پر غالب ہے۔ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح صا ۱۸۳/۷۹)

خدا نے اپنے نبی کو فصاحت و بلاغت کا معجزہ دیا سو اس جگہ بھی فصاحت و بلاغت کو اعجاز کے طور پر دکھلا دیا۔ غرض فصاحت و بلاغت کا ایک الٰہی نشان ہے۔

(حجۃ اللہ۔ ص ۱۴ ص ۱۶۲/۲۴)

کوئی انسان نرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لیے اس سے چارہ نہیں ہے کہ میرے دعوے کو اسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانا ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین ۔ ص ۴۴)

اور جس نے صادق (یعنی مرزا صاحب) کے پاس آکر اس کی تصدیق کی اس نے نئے سرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ (نجم الہدیٰ ص ۹۳)

اور یہ شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہے بلکہ اس کی شفاعت درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شفاعت ہے۔

(دافع البلاء ص ۲۳/۱۷ و ص ۱۴)

ایسے زمانہ اور ایسی نومیدی کے وقت میں میری تائید و نصرت کے لیے پیشگوئیاں فرمائیں کہ وہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمانہ سے مشابہ تھا جب کہ آپ مکہ معظمہ کی گلیوں میں اکیلے پھرتے تھے اور کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا۔

(نصرۃ الحق ص ۵۵ حصہ)

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ

لہ خسف القمر المنیر وان لی

غسا القمران المشرقان أتنکر

اس کے لیے چاند کا خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج

دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح ص ۱ ص $\frac{183}{7}$)

ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تین ہزار معجزات ہوئے۔
(چشمۂ مسیحی ص ۱۸ ص $\frac{35}{18}$)

جو آنجناب کے ہاتھ سے یا آپ کے قول سے یا آپ کے فعل سے یا آپ کی دعا سے ظہور میں آئے ایسے معجزات شمار کی رُو سے قریب تین ہزار کے ہیں۔
(کتاب البریہ۔ ص $\frac{154}{126}$)

(نوٹ) مرزا صاحب نے اپنے معجزوں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ لکھی ہے گویا یہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ۳۳۳ گنا زیادہ افضل ہیں۔ (ن ا)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

کے

دروس قرآن، تقاریر اور خطاباتِ جمعہ

کے کیسٹوں کی مکمل فہرست ہم سے طلب فرمائیں

مزید براں

منتخب نصاب (مکمل) کے دروس

کے کیسٹ کا سیٹ بھی دستیاب ہے

نشر القرآن کیسٹ سیریز

قرآن اکیڈمی، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

نیز یہ کیسٹ شاہنگ ٹریڈرز، رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ کراچی سے بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

آپ کو پریسٹرلیسڈ کنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

صدر دفتر : ۶۔ کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

فون:۔ ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۴

- پچیسواں کیلومیٹر۔ لاہور شیخوپورہ روڈ
- جی۔ٹی روڈ کٹھالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات
- پچیسواں کلومیٹر شیخوپورہ روڈ۔ فیصل آباد۔
- فیروزپور روڈ۔ نزد جامعہ اشرفیہ۔ لاہور۔ فون:۔ ۴۱۲۵۶۹
  شیخوپورہ روڈ۔ نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد۔ فون:۔ ۵۰۶۲۶
- جی۔ٹی روڈ۔ مریدکے۔ فون : ۷۰۰۳۸۹
- جی۔ٹی روڈ۔ سرائے عالمگیر
- جی۔ٹی روڈ۔ سواں کیمپ۔ راولپنڈی: فون:۔ ۶۸۱۲۷

جاری کردہ: مختار سنز گروپ آف کمپنیز

امیر تنظیم کا دوسرا دورۂ بلتستان

۱۷ ر تا ۲۱ ر اگست ۸۳ء

از قلم :- قمر سعید قریشی، قیم تنظیم اسلامی پاکستان

پندرہ اگست کو ہم گلگت اور بلتستان کے دورے کے لئے راولپنڈی روانہ ہونے والے ہی تھے کہ رفیق محترم ڈاکٹر شجاعت علی برنی کے کراچی پہنچنے کی اطلاع موصول ہوئی جو جدہ سے جانب مغرب پرواز کرتے ہوئے پورے کرۂ ارض کا چکر لگا کر واصلِ کراچی ہوئے تھے۔ دوپہر کو ان سے فون پر رابطہ ہوا تو معلوم ہوا کہ شاید ۲۰ تاریخ وہ واپس بھی چلے جائیں لہٰذا امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ان کی ملاقات کی واحد صورت یہ تھی کہ وہ بھی پنڈی ہی تشریف لے آئیں۔ چنانچہ وہ کراچی سے Direct Flight پر اسلام آباد پہنچ گئے۔ اور جب راقم اور عزیزم ڈاکٹر عارف رشید صاحب امیر محترم کے ہمراہ شام سات بجے اسلام آباد پہنچے تو برنی صاحب ائیرپورٹ پر برادرم اقتدار کے ساتھ موجود تھے۔ ہمارا یہ مختصر قافلہ پندرہ بیس منٹ میں ائیرپورٹ سے اپنی قیام گاہ سواں کیمپ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی پتہ چلا کہ اسکردو سے برادرم حق نواز کا فون آیا تھا مگر پیغام چونکہ واضح نہ تھا لہٰذا طے پایا کہ حسبِ پروگرام پہلے گلگت پہنچنا چاہیئے۔ رات کو قریباً دس بجے عزیزم عارف کی نظر ایک Slip پر پڑی جو ٹیلیفون کے قریب رکھی تھی۔ اور اس پر کسی نے بڑا واضح پیغام تحریر کیا تھا کہ حق نواز صاحب نے اسکردو سے فون کیا ہے کہ امیر محترم بجائے گلگت کے براہِ راست اسکردو ہی پہنچیں۔ چنانچہ فوراً برادرم عبدالرزاق صاحب کے توسط سے اسلام آباد میں PIA کے ایک سینئر آفیسر جناب جاوید حکیم سے رابطہ قائم کیا گیا۔ تو انہوں نے بجائے سولہ کے سترہ اگست صبح کے لئے اسکردو کی Seat کنفرم کرا دینے کا وعدہ فرمایا۔ یہ سارا مسئلہ طے ہونے میں قریباً رات کے ½ ۱۱ بج گئے۔ اور اس طرح ہمارے سفر کا پہلا دن اختتام پذیر ہوا۔

۱۶ ر اگست ۸۳ء : سفر کے پروگرام کی تبدیلی کے باعث چونکہ سولہ اگست کا دن ہمارے پاس فارغ تھا لہٰذا صبح ناشتہ کے دوران یہ طے ہوا کہ برادرم برنی صاحب کو ایوبیہ کا چکر لگوا دیا جائے۔ قریباً نو بجے سواں کیمپ سے روانہ ہو کر ہم پہلے PIA کے صدر دفتر واقع مال روڈ پہنچے۔ وہاں جناب جاوید حکیم بڑے ہی تپاک سے پیش آئے اور ہمارے ٹکٹوں میں مناسب تبدیلی کرا کے انہیں اگلے دن کے لئے برائے اسکردو Confirm کرا دیا۔ یہاں سے فراغت کے بعد ہم قریباً ساڑھے دس بجے مری اور ایوبیہ کے لئے روانہ ہو گئے جہاں سے شام کو پانچ بجے واپسی ہوئی۔

۱۷ ر اگست ۸۳ء : نمازِ فجر اول وقت ادا کر کے ½ ۴ بجے ائیرپورٹ کے لئے روانگی ہوئی۔ جہاز قریباً

۲۰ منٹ تاخیر سے 50-5 پر روانہ ہوا۔ اونچی برفانی چوٹیوں سے بچتا ہوا اور بادلوں کو قطع کرتا ہوا قریباً ۱½ گھنٹے میں ہمارا جہاز اسکردو ائیرپورٹ پر اتر گیا۔ برادرم حق نواز مع ائیرپورٹ منیجر حاتم صاحب اور کچھ چیدہ چیدہ معززین شہر Runway پر ہی موجود تھے۔ یہاں سے معانقہ ومصافحہ وغیرہ کا مرحلہ طے کرکے لاؤنج میں پہنچے تو وہاں ایک ہجوم کی سی کیفیت تھی۔ امیر محترم کے لاؤنج میں قدم دھرتے ہی پوری ائیرپورٹ نعروں سے گونج اٹھی۔ ہمارے مقامی رفقاء کے علاوہ قریباً ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے معززین موجود تھے اور ان لوگوں کا جوش وخروش واقعی دیدنی تھا۔ حاضرین میں سے ائیرپورٹ منیجر مسٹر حاتم، حاجی قربان صاحب نائب صدر انجمن اہلسنت، جناب عبدالکریم بلغاری صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ زراعت، مولانا محمد علی جوہر خطیب المرکز الاسلامی، مولانا عبدالرؤف استاذ وخازن المرکز الاسلامی، نوربخشی فرقہ کے رہنما صوفی غلام محمد صاحب، ابراہیم خلیل ٹھیکیدار اور نوجوانوں میں سے پرنس عبدالکریم صدر تنظیم نوجوانان اہل سنت اور حسن شاہد صاحب کے اسماءِ گرامی قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں جامع اسلامیہ وزیرپور کے رئیس الجامعہ جناب فیض اللہ صدیقی ایک دن پہلے صرف ڈاکٹر صاحب کے استقبال اور ان سے کچھ وقت کی درخواست کے لئے وزیرپور سے تشریف لائے تھے۔ ائیرپورٹ سے روانگی ہوئی تو ایک جلوس کی سی صورت بن گئی۔ کہ سب سے آگے چند نوجوان موٹر سائیکلز پر گویا PILET کر رہے تھے۔ اس کے بعد امیر محترم کی گاڑی تھی اور اس کے پیچھے باقی گاڑیاں اور مختلف قسم کی پک اپ وغیرہ تھیں۔ ائیرپورٹ سے اسکردو شہر کا فاصلہ قریباً ۱۷ کلومیٹر ہے۔ جو طے کرتے ہوئے تقریباً آدھ گھنٹہ صرف ہوگیا۔ راستہ میں ڈی ایس پی (سٹی) مسٹر شوکت رشید سے ملاقات ہوئی جو ہمارے استقبال کے لئے ائیرپورٹ جا رہے تھے۔ کوئی پونے آٹھ بجے یہ قافلہ ہمارے عارضی پڑاؤ، ٹھیکیدار عبدالکریم کے ڈیرہ پر پہنچ گیا۔ یہاں بھی کافی لوگ ہمارے منتظر تھے جن میں اسکردو کی قابل احترام ہستی امام اہل سنت مولانا محمد کبیر خطیب جامع مسجد اسکردو و ناظم اعلیٰ مدرسہ صدیقیہ بھی شامل تھے۔ ناشتہ کے ساتھ ساتھ حاضرین سے تعارف بھی جاری رہا۔ امیر محترم کا گلا چونکہ کافی دنوں سے مستقل خراب چلا رہا تھا اور پچھلی رات نیند بھی پوری نہ کرسکے تھے۔ لہٰذا وہ کچھ آرام کے لئے لیٹ گئے۔ اسی دوران مقامی Base Commander اور DMLA جناب بریگیڈیئر حامد جمیل صاحب بھی تشریف لے آئے۔ قریباً دس بجے دوبارہ نشست شروع ہوئی۔ برادرم عزیزم حق نواز کا مختلف حلقوں کے سفیر دن گزارا کیا ہوا تھا کہ ان سے امیر محترم سے کچھ وقت لینے کا طے کرسکیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی صحت کے پیش نظر یہ بات طے کرلی گئی کہ اسکردو سے باہر صرف جامع سلامیہ وزیرپور میں پروگرام رکھا جائے گا۔ حتیٰ کہ خپلو کا پروگرام بھی مشروط ہی تھا کہ اگر ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کچھ بہتر ہوگئی تو خپلو جائیں گے۔ ورنہ نہیں۔ اس نشست میں بھی مقامی اصحاب سے کافی مفید گفتگو ہوئی اور قریباً ایک بجے کھانا کھا کر نماز ظہر ادا کرنے کے بعد یہ اختتام پذیر ہوئی۔ اور ہم لوگ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ کمانڈر حامد جمیل صاحب نے چونکہ ڈاکٹر صاحب سے ہمارے پورے عرصۂ قیام کی میزبانی کی اجازت حاصل کرلی تھی۔ لہٰذا ہمارے آرام کرنے کے دوران ہی ہمارا سامان انہوں نے اپنے ہاں منگوا لیا۔

قریباً ساڑھے چار بجے بعد دوپہر جامع مسجد اہل سنت چشمہ بازار اسکردو کے لئے روانگی ہوئی مسجد سے متصل سڑک اور گلی کو بڑی خوبی سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا اور جب ہم آرائشی دروازوں اور محرابوں سے گزر کر مسجد کے قریب پہنچے تو کچھ بچے باوجود امیرِ محترم کے منع فرمانے کے پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنے لگے۔ (واضح رہے کہ پھول اسکردو جیسی لق و دق جگہ میں خاصی نایاب شے ہے) یہاں خپلو سے مولانا عبدالرشید صاحب صدر مجلسِ اہلِ سنت اور ڈوغنی سے مولانا محمد سعدی بھی تشریف لا چکے تھے۔ نمازِ عصر کے بعد قریباً ۴½ بجے خطاب شروع ہوا۔ آغاز میں تو قریباً سو حاضرین تھے۔ مگر جلد ہی مسجد بھرنے لگی اور نمازِ مغرب سے قبل دو سو سے زائد افراد موجود تھے (بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں اہلِ تشیع کے بعض علماء بھی تھے) امیرِ محترم نے سورۂ آلِ عمران کی آیات نمبر ۱۰۲ اور ۱۰۴ یعنی "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ...... الخ" اور "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ...... الخ" اور سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ یعنی "شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى ...... الخ" کے حوالے سے کلام کا آغاز فرمایا اور فرائض دینی کے تصور کے درست ہونے کی اہمیت کو واضح فرمایا۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ وہ چھ نکات کے حوالہ سے اپنا بیان مکمل کریں گے۔ پہلے تین نکات یعنی (i) دین پہ خود کاربند اور عمل پیرا ہونا (ii) دین کو پھیلانا (iii) دین کو فی الواقع قائم کرنا تو وہ آج کی گفتگو میں مکمل کریں گے اور باقی تین نکات سٹیلائٹ ٹاؤن کی مسجد میں نمازِ فجر کے بعد دو تین دن میں بیان کریں گے۔ حاضرین نے پورے ۱½ گھنٹہ کے بیان کو بہت ہی توجہ اور ذوق و شوق سے سنا۔ بعد نمازِ مغرب یہ نشست ختم ہوئی اور ہم کمانڈر صاحب کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر آ گئے۔ یہاں مہمان خانہ میں ہمارا سامان نہایت ہی سلیقہ سے رکھا ہوا تھا اور سہولت کی ہر چیز فراہم کر دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ محترم حامد جمیل صاحب اور ان کے گھر والوں کو جزائے خیر عطا فرما دیں۔ ہمارا انہوں نے بہت ہی خیال فرمایا۔ حتیٰ کہ فجر سے پہلے بھی ان کا ملازم ہم کو باقاعدہ کافی مہیا کرتا رہا۔ حالانکہ رات کو بھی سب لوگ خاصے لیٹ سوتے تھے۔

۱۸/اگست ۱۹۸۳ء: حسبِ پروگرام نمازِ فجر سٹیلائٹ ٹاؤن کی ڈویژن مسجد میں ادا کی اور بعد نمازِ فجر درس کا آغاز ہوا۔ امیرِ محترم نے سورۃ الحجرات کی آیات ۱۴، ۱۵ سے استشہاد فرماتے ہوئے جہاد کو ایمانِ حقیقی کا جزوِ لازم اور رکنِ رکین ثابت کیا اور لفظ جہاد پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ جہاد ایک مسلسل عمل ہے جس میں ایک بندۂ مومن بیک وقت کئی محاذوں پر مصروفِ عمل ہوتا ہے۔ مثلاً فرائض دینی کی پہلی سطح پر یعنی دین پر خود کاربند اور عمل پیرا ہونے کے لئے ایک مسلمان کو بیک وقت تین محاذوں پر کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ یعنی ایک خود اپنے نفس سے دوسرے شیطان لعین اور تیسرے بگڑے ہوئے معاشرے کے مطالبات سے۔ پھر فرائض دینی کی دوسری سطح پر یعنی دین کو عام کرنے اور پھیلانے کی جد و جہد میں جان و مال کا کھپانا لازم ہوتا ہے لہٰذا اس مرحلے پر گویا ایک نظریاتی تصادم ظہور میں آتا ہے۔ پھر دینی فرائض کی تیسری اور بلند ترین سطح یعنی غلبہ و اقامتِ دین کی سعی و جہد تو 'حزب اللہ' اور 'حزب الشیطان' کے فیصلہ کن تصادم کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کی بلند ترین منزل 'قتال فی سبیل اللہ' یعنی اللہ کی راہ میں نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکل آنا ہے۔

اسی درس میں صرف تبلیغ کے عمل اور اقامتِ دین کی سعی میں تقابل فرماتے ہوئے ایک بڑی پیاری مثال امیر محترم نے دی۔ آپ نے تبلیغ کے عمل کو ایک کدو کی بیل سے تشبیہ دی جو زمین ہی پر پھیلتی چلی جاتی ہے جب کہ اقامتِ دین کی جد وجہد کی مثال ایک ثمردار درخت آم کے درخت کی ہے جو جڑ پکڑ کر قد آدم ہوتا ہے اور برگ وبار لاتا ہے۔ لوگوں کے دفاتر کے اوقات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ درس قریباً ۴۰ منٹ میں مکمل کر لیا گیا۔

ناشتہ سے فراغت ہوتے ہی نوائے وقت کے مقامی نمائندہ جناب سالک صاحب تشریف لے آئے۔ کیونکہ انہوں نے گذشتہ روز ہی ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو کے لئے کچھ وقت لے لیا تھا۔ ان کے ساتھ لگ بھگ ایک گھنٹے تک گفتگو جاری رہی!

دس بجے کے قریب مقامی رفقاء نے ہمارے لئے جھیل اسکارا جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ قریباً ½۱۰ بجے وہاں کے لئے روانگی ہوئی۔ وہاں پر مقامی معززین نے پرتکلف چائے کا بھی اہتمام کیا ہوا تھا۔ راستہ میں ہی اسکردو کو بجلی سپلائی کرنے والا ایک Mini Hydro Electric Thermal Station بھی تھا۔ جہاں ہم چند منٹ رکے۔ جھیل کا منظر بھی نہایت دلفریب تھا۔ قریباً پونے بارہ بجے یہاں سے واپسی ہوئی۔ امیر محترم نے واپسی پر سٹیلائٹ ٹاؤن کی مسجد سے متصل مدرسہ الہدیٰ کا معائنہ فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے گزشتہ دورہ بلتستان کے دوران اس مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ فی الحال اس میں دس کمروں پر کام جاری تھا۔ کل دو منزلوں میں ۴۴ کمرے بنانے کا پروگرام ہے۔ ۲۲ نیچے اور ۲۲ اوپر

چھاؤنی کی مسجد میں بعد نماز عصر امیر محترم کا خطاب تھا۔ چنانچہ قریباً ½۴ بجے کمانڈر حامد جمیل صاحب کے ہمراہ روانگی ہوئی۔ انہوں نے راستے میں بتایا کہ درس کے لئے روانگی سے صرف پون گھنٹہ قبل انہیں کراچی سے فون پر اطلاع ملی تھی کہ ان کے برادر بزرگ رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" ان کا یہ ایثار اور ضبط واقعی قابل ستائش ہے کہ انہوں نے کسی طرح درس کے پروگرام کو Disturb کرنا حتی کہ اپنی عدم شمولیت بھی گوارا نہ کی۔ ادھر ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی تنظیمی اجتماعات پر فوقیت دے کر الٹے خوش ہوتے ہیں کہ ہم اعتدال کی راہ پر ہیں۔ اور ہر چیز کا حق ادا کر رہے ہیں۔ چھاؤنی کی مسجد سکردو شہر سے کافی فاصلہ پر واقع ہے۔ ہم قریباً نماز کے وقت پر ہی پہنچے۔ نماز کے بعد قریباً ½۵ بجے امیر محترم نے خطاب شروع فرمایا۔ یہاں یہ ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کو پچھلے دورۂ بلتستان کے دوران بھی اس مسجد میں خطاب کا موقع ملا تھا۔ اس وقت یہ بالکل ابتدائی تعمیری مراحل میں تھی اور اب وہاں ایک عظیم الشان اور وسیع وعریض مسجد ہے۔ ہال پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ اور حاضری قریباً ۳۵۰ تک تھی۔ امیر محترم نے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ ... الخ" کی تلاوت فرمانے کے بعد تقریر شروع فرمائی اور پھر اپنے جچے تلے اور مدلل انداز میں انسان کے چھ داعیاتِ عمل کا ذکر فرمایا جن میں پہلے تین کا زوردار تقاضا تو ہر انسان کے باطن سے ابھرتا ہے۔ یعنی ۱۔ بقائے ذات کے لئے معاشی جد وجہد ۲۔ بقائے نسل کے لئے شادی بیاہ اور گھر گرہستی کا نظام اور ۳۔ استراحت اور سر چھپانے کے لئے کسی نہ کسی جھونپڑے یا مکان کی تعمیر البتہ بقایا تین ذمہ داریوں کا

احساسِ شعور مائے ایک محدود اقلیت کے باقی تمام انسانوں میں تعلیم و تلقین اور تذکیر و نصیحت کے ذریعے اجاگر کرنا پڑتا ہے۔ یہ تین ذمہ داریاں وہ ہیں جو ۱ وطن ۲ قوم اور ۳ دین و مذہب کی جانب سے عائد ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات واضح فرمائی کہ اہل پاکستان کے لئے یہ تینوں ذمہ داریاں کس طرح سمٹ کر ایک اکائی بن جاتی ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا ملک پاکستان بھی اسلام ہی کے نام پر قائم ہوا ہے۔ ہماری قومیت کی بنیاد بھی اسلام ہے اور ہمارا دین تو اسلام ہے ہی لیکن چونکہ ہم نے چھتیس سال اس حال میں گزار دیئے کہ اسلام کا نام تو بہت لیا لیکن اس کی جانب کوئی حقیقی پیش قدمی نہ کی لہٰذا ہماری سب سے بڑی خوش بختی ہی ہماری بدبختی بن کے رہ گئی کہ ملک و ملت کو استحکام نصیب نہ رہ سکا اور پہلے پاکستان دولخت ہوا اور اب بچے کھچے پاکستان میں بھی قومیتوں کا راگ الاپا جا رہا ہے اور مزید شکست و ریخت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ قریباً سوا گھنٹے کے اس خطاب کے دوران پورے مجمع پر سکوت طاری رہا۔ نماز مغرب کے بعد یہاں بھی مقامی حضرات نے کچھ چائے وغیرہ کا انتظام کیا ہوا تھا۔ لہٰذا واپسی نماز عشاء سے کچھ دیر پہلے ہی ہو سکی۔

نماز عشاء کے بعد کچھ مقامی خواتین نے امیر محترم سے بیعت کی جن میں صاحب خانہ کی اہلیہ یعنی بیگم حامد جمیل بھی شامل تھیں

۱۹ اگست ۱۹۸۳ء: بعد نماز فجر حسب سابق بقیہ سلسلہ درس شروع ہوا۔ اس درس میں امیر محترم نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ..... الآیۃ" سورۂ فتح کی آیت نمبر ۱۰ یعنی "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ ..... الآیہ" اور حدیث نبوی "انی امرکم بخمس ..... الحدیث" کے حوالے سے بات شروع کی اور نظم جماعت کی اہمیت اور طریقہ واضح فرمایا۔ آج حاضری کل کی نسبت زیادہ تھی۔ یہ بیان کوئی ۵۰ منٹ میں ختم ہوا۔ دوران تقریر کمانڈر حامد جمیل پر ایک خاص تاثر کی کیفیت نمایاں تھی۔ درس کے فوراً ہی بعد عزیزم ڈاکٹر عارف رشید واپس عازم لاہور ہو گئے۔ اصل میں وہ تو پنڈی سے ہی واپس بھاگ رہے تھے (کیونکہ انہیں پتہ چلا تھا کہ قرآن اکیڈمی کلینک کا جو عارضی انتظام وہ کر کے آئے ہیں وہ کچھ ٹھیک طرح نہیں چل رہا) لیکن کل سے ان پر اس معاملے میں باقاعدہ بڑے بوڑھوں جیسی سنجیدگی طاری تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے بھی اجازت دے دی۔ ویسے اس بات پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کیا کہ ہمارے نوجوانوں میں بحمداللہ احساس ذمہ داری اس قدر پیدا ہو گیا ہے کہ ایک نئی جگہ کی سیر کا شوق بھی انہیں متزلزل نہیں کر سکا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبہ کو قائم رکھیں اور اپنے دین متین کی خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائیں۔

۹۳۰: مقامی رفقاء تنظیم کا اجتماع ہوا جس میں عزیزم امان اللہ صاحب (جنہوں نے پہلے سے حلف نامہ پڑھ کر باقاعدہ شمولیت کر لی ہوئی تھی) نے بیعت کی۔ اس کے علاوہ دو نئے حضرات محمد یعقوب اور نادر خان صاحب نے بھی بیعت کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ ان میں سے مؤخر الذکر بہت باہمت اور دل گردہ کے مالک انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توانائیوں کو خدمت دین کے لئے قبول فرمالے۔

۱۰۳۰: ایک سرحدی یونٹ کے کمانڈر کرنل مجاہد صاحب تشریف لائے اور امیر محترم سے ان کی کافی مفید گفتگو

ہوئی۔ ان کو میں نے امیر محترم کے کچھ کتابچے بھی پیش کئے۔

۱۴۰۰ : نماز جمعہ امیر محترم نے جامع مسجد اہل سنت چشمہ بازار میں پڑھائی۔ یہاں پر سیرت مطہرہ کی روشنی میں جماعت صحابہؓ کی شان بیان ہوئی۔ علاوہ ازیں عظمت قرآن پر بھی ڈاکٹر صاحب نے خطاب فرمایا۔ آغاز ہی میں مسجد قریباً بھری ہوئی تھی۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف سے مسجد کے اطراف و اکناف چھلکنے لگے اور باہر گلیوں اور مکانوں میں ایک جم غفیر نے یہ خطاب سنا۔ جس میں الحمد للہ ہر طبقہ و مسلک سے تعلق رکھنے والے خواص و عوام جمع تھے۔

نماز جمعہ کے فوراً بعد رفقاء تنظیم نے ٹھیکیدار عبد الکریم صاحب کے ڈیرے پر دعوت طعام کا اہتمام کیا تھا۔ دوران طعام بھی خاصی مفید گفتگو ہوئی۔ یہاں سے قریباً ۴ بجے سہ پہر ہم کمانڈر حامد جمیل کے ہاں اپنی عارضی قیام گاہ پر پہنچے اور بالکل کچھ آرام کئے بغیر چائے کا ایک ایک کپ پیا۔ اور اگلے پروگرام کے لئے کمر کس لی۔

۱۶۴۰ : نماز عصر کے لئے جاتے ہوئے راستے میں امیر محترم نے المرکز الاسلامی کی لائبریری کا معائنہ فرمایا اور کچھ مفید مشورے دیئے۔

۱۶۴۵ : نماز عصر المرکز الاسلامی میں ادا کرنے کے بعد یہاں کے پروگرام کا آغاز ہوا۔ یہ مرکز سلفی المسلک حضرات نے ابھی ابھی قائم کیا ہے۔ ایک بہت بڑی مسجد کے علاوہ ایک وسیع و عریض Complex برائے مدرسہ زیر تعمیر ہے۔ اس اجتماع کے منتظمین میں بلتستان کے مسلک اہل حدیث کے مرکزی دار العلوم واقع غواڑی کے ناظم اعلیٰ مولانا عبد الرحمٰن خلیق اور رکن مجلس عاملہ مولانا عبد الرشید اور مقامی حضرات میں سے عبد الکریم بلغاری صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ زراعت کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں نوجوان عالم دین اور خطیب مولانا محمد علی جوہر نے بھی اس اجتماع کے اہتمام میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ قریباً ۵ بجے امیر محترم نے اپنی تقریر کا آغاز فرمایا۔ قریباً ۲۰۰ افراد موجود تھے۔ خواتین اس کے علاوہ تھیں۔ سورۃ الاحزاب کی آیات نمبر ۲۱ و ۲۲ یعنی لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ ...... الآیہ اور "وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ...... الآیہ" کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے ایمان حقیقی اور اسوۂ رسول ﷺ پر گفتگو فرمائی اور اپنے مخصوص انداز میں حقیقی ایمان اور قانونی ایمان کا فرق واضح کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ اور امام بخاریؒ کے اقوال میں جو کامل تطبیق فرمائی وہ حاضرین کے لئے ایک بالکل نئی بات تھی۔ امیر محترم کا انداز آج بڑا پرجلال تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی سب سے مؤکد اور متواتر سنت یعنی — دعوت کو ترک کر کے فروعات میں الجھے ہوئے علماء و واعظین کو حضرت مسیحؑ کی بیان کردہ اس تمثیل کے مصداق قرار دیا کہ "تم مچھر چھانتے ہو لیکن سموچے اونٹ نگل جاتے ہو"۔ بجلی بار بار بند ہونے کے باعث پنکھوں اور لاؤڈ سپیکر کا انتظام مستقلاً خراب رہا۔ مگر لوگوں کی محویت کا یہ عالم تھا کہ باوجود شدید حبس و گرمی کے کسی نے پہلو تک نہیں بدلا۔ قریباً پونے دو گھنٹے پر محیط یہ خطاب نماز مغرب کی اذان کے متصل ختم ہوا۔ نماز کے بعد سوال و جواب کی نشست تھی۔ حاضرین کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نماز مغرب کے بعد محفل سوال و جواب میں قریباً سب لوگ موجود تھے۔ شاید ہی کوئی اکا دکا فرد اپنے کسی کام سے گیا ہو۔ حاضرین میں سے مختلف

طبقاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات نے تقریر سے متعلق اور غیر متعلق اور بعض ذاتی سوالات امیر محترم سے کئے۔ جن کا جواب انھوں نے نہایت ہی اطمینان اور شرح و بسط سے دیا۔ اس نشست نے بھی اتنا طول پکڑا کہ عشاء کی اذان ہوگئی۔ بعد نمازِ عشاء مرکز والوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے اعزاز میں معززین شہر کو ایک پُرتکلف دعوت دی گئی۔ گو میرا اس دعوت کے دوران یہ حال تھا کہ اکثر و بیشتر نظر گھڑی پر تھی جس نے رفتہ رفتہ گیارہ بجا دیئے تھے اور میں زبانِ حال سے "النوم خیرٌ من الطعام" کی دہائی دے رہا تھا۔ اس دوران جب کبھی امیر محترم پر نظر پڑی تو وہ بظاہر ہشاش بشاش کسی سے اپنے دلنواز پیرایہ میں محوِ گفتگو ہوتے۔ مجھے اس رات اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ امیر محترم کو اپنے مشن سے کس قدر لگاؤ ہے اور یہ بھی محسوس ہوا کہ ان کو اپنی اس جد وجہد کا اجر صرف اللہ سے مطلوب ہے۔ ورنہ میرے نزدیک کوئی دنیوی یا نفسانی داعیہ اتنا شدید و مستقل ہرگز نہیں ہو سکتا کہ صبح سے رات گئے تک متواتر، بغیر ایک لمحہ کرسی بھی کئے سلسلہ درس و تدریس جاری رہ سکے جس میں سات گھنٹے کی خطابت بھی شامل ہو۔ اس دن میں نے مولا کریم سے خاص دعا کی کہ اے رب العزت مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھی ہمارے امیر کا ساجذبہ بخش دے کہ ہم ان کے ساتھی کہلانے کے اہل ہو سکیں۔ خصوصاً ڈاکٹر صاحب کے بچوں اور ہمارے نوجوان ساتھیوں کو کہ جن سے ہماری مستقبل کی امیدیں وابستہ ہیں۔ اس رات قریباً ½ ۱۱ بجے واپسی ہوئی اور نیند تو یقیناً اگلے روز کی تاریخ میں ہی نصیب ہوئی۔

۲۰ اگست ۱۹۸۳ء: صبح نمازِ فجر کے بعد میں نے امیر محترم سے درخواست کی کہ وہ کل کی تھکاوٹ کے پیش نظر تھوڑا آرام فرمالیں۔ کیونکہ آج وادئ شگر کا پروگرام تھا اور جیپ کا سفر بھی خاصا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی امیر محترم لیٹے میں ذرا باہر سیر کے لئے نکل گیا۔ لیکن میں بمشکل شہر سے ایک ڈیڑھ میل ہی باہر نکلا ہوں گا کہ شگر کے احباب کی جیپ میری تلاش میں پہنچ گئی کہ ڈاکٹر صاحب روانگی کے لئے آپ کے منتظر ہیں۔ اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ مجھے کمرے کے باہر موجود رہنا چاہیئے تھا۔ ہوا یہ کہ جیسے ہی میں نکلا فوراً شگر کے دوست آدھمکے۔ لہٰذا اب ڈاکٹر صاحب کے آرام کا کیا سوال تھا۔ بہرحال قریباً سات بجے ہم لوگ دو جیپوں اور ایک لمبی 'لینڈ کروزر' میں عازمِ شگر ہوگئے۔ دریائے سندھ پر ایک معلق پل اور ایک پہاڑی چوٹی کو عبور کر کے ہم کوئی ½ ۸ بجے شگر پہنچے۔ راستہ میں تبت کے روایتی جانور یاک (YAK) کی بھی زیارت ہوگئی۔ یہ یہاں بہت ہی قیمتی متاع ہے اور صرف نسل کشی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں مقامی لوگوں نے N.A.W.O (Northeren Area Works Organization) کے ریسٹ ہاؤس میں بڑے پُرتکلف ناشتہ کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ کوئی پون گھنٹہ قیام کے بعد ہم نو بجے اپنی اصل منزل وزیر پور کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں کی جامع اسلامیہ کے رئیس الجامع مولانا فیض اللہ صدیقی ۱۷ تاریخ کو ایئرپورٹ سے ہمارے ساتھ ہو لئے تھے کہ امیر محترم سے کچھ وقت لے سکیں۔ وزیر پور کا گاؤں دنیا میں دوسرے نمبر پر بلند ترین سلسلۂ ہائے کوہ K.2.6 (بلکہ ایک نئے خیال کے مطابق بلند ترین) کے دامن میں واقع ہے اور اس کی بلند ترین چوٹی K.2 یہاں سے ایک چھوٹے راستہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے اور اکثر کوہ پیما پارٹیاں یہیں سے روانہ ہوتی ہیں۔ خوبانی سے لدے ہوئے درختوں میں سے گزرتے ہوئے ہم

سوا دس بجے وزیر پور پہنچ گئے۔ یہاں بالکل جنگل میں منگل کا سماں بندھا ہوا تھا۔ ہمارے جیپ سے اترتے ہی استقبالیہ نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ رنگ برنگ کی چادریں۔ قناتیں اور سب پر مستزاد قالینوں سے آراستہ ایک بلند سٹیج یہاں پر عجیب بہار دے رہی تھی۔ بہرحال ان لوگوں کا جذبہ اور محنت قابل صد ستائش ہے۔ حاضری بھی یہاں کی آبادی کے پیش نظر بہت زیادہ تھی۔ کوئی ۱۵۰ افراد اور ۱۰۰ سے زائد اسکول کے بچے جلسہ گاہ میں جمع تھے سٹیج سیکرٹری کے فرائض جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ ایک ہونہار نوجوان سید عبداللہ نے سرانجام دیئے اور جلسہ کا آغاز ایک نوعمر قاری محمد اقبال نے سورۃ الشمس کی تلاوت سے کیا۔ اپنے ماحول کے پس منظر میں یہ تلاوت اس قدر عمدہ تھی کہ بے اختیار مصری قراء کے لئے دل سے دعا نکلی جن کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند میں اس طرز قراءت کا چرچا ہوا۔ خطبہ استقبالیہ رئیس الجامع جناب فیض اللہ صدیقی نے پڑھا جس کے بعد امیر محترم نے سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ کے آخری حصے یعنی " فالذین امنوبہ وعزروہ و نصروہ ...... الآیہ " کے حوالہ سے حضور اکرم ؐ سے ہمارے تعلق پر روشنی ڈالی اور توحید فی العمل پر زور دیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وزیر پور سے واپس شگر روانگی ہوئی۔ قصبہ شگر سے گزرتے ہوئے ہم نے نوربخشی حضرات کی ایک نہایت قدیم خانقاہ جس کی شکل بالکل جاپانی Pagoda سے ملتی ہے، دیکھی۔ اس عمارت کا بیشتر حصہ لکڑی کا ہے۔ اور بہت ہی قدیم زمانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ قریباً ۵ بجے شام ہم واپس سکردو اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

بعد نماز مغرب جامع مسجد اسکردو بازار میں جلسہ سیرت النبیؐ تھا۔ حسب سابق حاضری بھرپور تھی اور ہر مکتب فکر کے لوگ جوق در جوق آئے تھے۔ امیر محترم نے سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۵ " یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ .... الآیہ " اور سورہ صف کی آیت نمبر ۹ " ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ .... الآیہ " کے حوالہ سے سیرت مطہرہ کے انقلابی پہلو پر سیر حاصل کلام فرمایا۔ دورہ بلتستان کا یہ طویل ترین خطاب ۲½ گھنٹے سے بھی کچھ منٹ اوپر ہی تھا اور ہر لحاظ سے دورہ کا حاصل تھا۔ حاضرین پر ایک عجب جذب کا عالم طاری تھا۔ بعد میں بریگیڈیر میجر حامد نواز صاحب کی جانب سے آفیسرز میس میں دعوت عشائیہ تھی جس سے فراغت نصف شب کے قریب ہوئی۔

۲۱ر اگست ۱۹۸۳ء: مقامی پولیس کے ڈی ایس پی جناب شوکت رشید صاحب نے صبح ناشتہ کا اہتمام کیا ہوا تھا اور واقعی " اہتمام " کیا ہوا تھا۔ موصوف کے والد بھی اسکردو میں اعلیٰ Civil Servant ہیں۔ وہاں سے واپسی پر امیر محترم راجہ فتح علی خاں آف خپلو کی عیادت کے لئے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال تشریف لے گئے۔ موصوف ڈاکٹر صاحب کے گذشتہ دورۂ بلتستان کے دوران قریباً ہمہ وقت ساتھ رہے اور ادھر کچھ عرصہ سے بیمار چل رہے تھے۔

۹۳۰ : ناظم دارالعلوم غواڑی مولانا عبدالرحمان خلیق اور مولانا عبدالرشید رکن مجلسِ عاملہ و صدر جمعیت اہلحدیث، بلتستان امیر محترم سے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ یہ حضرات آئندہ بھی ہم سے تعاون کرنے کی درخواست لے کر آئے تھے۔ ان سے بہت ہی کھلے دل سے اور بے تکلف ماحول میں گفتگو ہوئی۔

مولانا خلیق صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ کس طرح گذشتہ چند ماہ کے دوران ہمارے ایک پڑوسی ملک کے ناظم الامور نے اس علاقہ میں تابڑ توڑ دورے کئے ہیں اور اتحاد بین المسالک کے پردے میں دراصل ایک خاص فرقہ کی Mini state بنانے کے عزائم ہیں۔ امیر محترم نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ ان کے بتائے ہوئے طریق کار کو اپناتے ہوئے آپس کے اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کریں گے تو ہمارا تعاون بھی انشاء اللہ مستقل طور پر جاری رہے گا۔

۱۰۴۵ : دو نوجوان کیپٹن ڈاکٹرز نعیم اور زاہد بخاری صاحبان نون پر وقت لے کر تشریف لائے۔ ان میں سے اول الذکر کا تعلق لاہور سے ہے اور تبلیغی جماعت سے متاثر ہیں جب کہ بخاری صاحب پشاور کے ایک دینی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ دونوں ماشاء اللہ خاصے ذہین نوجوان ہیں۔ ان دونوں سے بھی بہت ہی مفید گفتگو ہوئی۔

بعد نماز مغرب مسجد اہل سنت پرانا بازار سکردو میں وہاں کے بزرگ متولی حاجی قربان علی صاحب کے بہت ہی پرجوش اور محبت آمیز اصرار کے نتیجہ میں امیر محترم نے ایک تقریر کا وعدہ فرمالیا تھا۔ یہاں جگہ تو بہت کم تھی لیکن آبادی گنجان ہونے کی وجہ سے بے شمار لوگ ملحقہ مکانوں میں بیٹھ گئے۔ اور یہ اجتماع بہت ہی اچھا ہو گیا۔ یہاں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں امیر محترم نے سورۃ العصر کی تشریح بیان فرمائی۔ عوام کے علاوہ یہاں کافی تعداد میں سول و ملٹری آفیسرز بھی موجود تھے اور لوگوں کے چہروں کے تاثرات سے عیاں تھا کہ جیسے بالکل کوئی نئی بات سامنے آئی ہو۔ صبح والے دو ڈاکٹر حضرات بھی بیچارے چھاؤنی سے پیدل یہاں پہنچے تھے (اتفاق سے ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی)

بعد نماز عشاء بلتستان میں اس دورے کا آخری پروگرام تھا۔ مولانا عبدالرشید صدر اہل سنت و کونسلر آف خپلو نے اپنے ہوٹل میں امیر محترم کے اعزاز میں سکردو کے تمام مکاتب فکر کے علماء اور چیدہ چیدہ سول و ملٹری آفیسرز کو ایک دعوت عشائیہ میں مدعو کیا تھا۔ اس دعوت کا ایک مقصد باہمی تعاون بھی تھا۔ یہاں اہل تشیع کے چوٹی کے علماء اور رہنما شیخ غلام محمد اور آغا غلام صادق سے ملاقات ہوئی۔ نوربخشی علماء میں سے شیخ احمد علی اور صوفی غلام محمد صاحب موجود تھے۔ اس کے علاوہ غلام حیدر حیدری کونسلر نادرن ایریا بھی تشریف فرما تھے۔ امیر محترم نے سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ "شرع لکم من الدین ..... الآیہ" کی تلاوت سے آغاز کلام فرمایا اور آدھ گھنٹہ کے مختصر خطاب میں نہایت ہی بسوط و مدلل پیرایہ میں دین و مذہب اور اختلاف و تفرقہ کا فرق واضح کیا۔ امیر محترم نے یہ بات حاضرین پر عیاں فرمائی کہ ہمارے اختلافات فی الحقیقت فروعی ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ بجائے اختلافات کے متفق علیہ امور کو عام کیا جائے۔ میرے خیال میں یہ مختصر تقریر بلتستان کی تاریخ میں اتحاد بین المسالک کے سلسلہ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد شیعہ، نوربخشی اور حنفی علماء نے تائید و تصویب فرمائی۔

۲۱ اگست ۱۹۸۳ء : صبح چھ بجے برائے ایئرپورٹ روانگی ہوئی۔ کمانڈر حامد جمیل چونکہ ایک دن قبل کراچی

تشریف لے جاچکے تھے لہٰذا ہمیں ایئر پورٹ پر چھوڑنے سید طاہر علی شاہ صدر مقامی بار ایسوسی ایشن (سابق سول جج) گئے۔ اور یہ رپورٹ نامکمل رہے گی اگر موصوف کے متعلق میں یہ ذکر نہ کروں کہ ہمارے قیام کردہ کے دوران بھی انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اجتماعات میں لیجانے اور واپس لانے کی ڈیوٹی بڑی دلجمعی اور مستعدی سے سرانجام دی۔ ایئر پورٹ پر تمام مقامی حضرات ہمیں الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور جب تک ہمیں یہ نظر آتے رہے سب مسلسل ہاتھ ہلا کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے۔ قریباً ½۱۲ بجے اسلام آباد ایئر پورٹ پہنچ کر وہاں سے ٹیکسی سے لگژری کوچ کے اڈہ پر ½۱ بجے پہنچ گئے۔ جہاں سے دس بجے روانہ ہو کر پورے تین بجے ہم ریلوے سٹیشن لاہور کے نزدیک ایشیا ہوٹل کے سامنے کھڑے تھے۔ جہاں عارف میاں سراپا مسکراہٹ بنے ہمارے انتظار میں تھے۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ اس دورہ کے دوران امیر محترم کی سعی و جہد کو قبول فرمائے اور شرکاء درس کو عمل اور تعاون کی توفیق بھی عنائت کرے۔ آمین

رپورٹ دورۂ ملتان

پروگرام کے مطابق مؤرخہ ۱۲ ستمبر کو محترم ڈاکٹر صاحب رفیق محترم ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب کی معیت میں بذریعہ طیارہ اور راقم الحروف اسی روز بذریعہ ٹرین ملتان پہنچا جبکہ برادرم عزیزم رفیق صاحب (ملتانی) ایک رات پہلے ہی تشریف لے جاچکے تھے۔ گاڑی پانچ بجے شام جب اسٹیشن پر پہنچی تو رفیق محترم ماجد خاکوانی صاحب اور رفیق صاحب راقم کی رہنمائی کے لیے موجود تھے۔

امیر تنظیم اسلامی ملتان کرنل ڈاکٹر حافظ غلام حیدر ترین صاحب کی رہائش گاہ پر اجتماع ہونا تھا۔ لہٰذا ان کے گھر کی طرف جانے والی سڑکوں پر رہنمائی کے نشانات لگے ہوئے تھے۔ اجتماع کا انتظام خوبصورتی سے سجائے ہوئے وسیع لان میں کیا گیا تھا جبکہ خواتین کے بیٹھنے کے لئے مکان کے عقبی صحن میں اہتمام کیا گیا تھا۔

نماز مغرب کے بعد مقامی امیر جناب کرنل ترین صاحب نے بیس منٹ کے خطاب میں تنظیم اسلامی کا تعارف کروایا۔ اس سے قبل ہر آنے والے کو ایک طبع شدہ ہینڈبل دیا گیا تھا جس میں تنظیم اسلامی کا تعارف اور قرآن مجید سے شغف کے بارے میں سوالنامہ مندرج تھا۔ اس اجتماع کی حاضری ابتدا ہی میں پانچ سو کے قریب تھی مگر جلد ہی یہ چھ سو سے تجاوز کر گئی۔ علاوہ ازیں اجتماع میں شرکت کرنے والی خواتین کی تعداد بھی سو کے قریب تھی۔

امیر محترم نے اڑھائی گھنٹہ پر محیط اپنے خطاب میں اسلام اور پاکستان، حضورؐ کا منہج انقلاب، دعوت تنظیم اسلامی اور ملکی حالات پر مفصل خطاب فرمایا۔ حاضرین نے پوری توجہ سے ڈاکٹر صاحب کی تقریر سنی۔ بلدیہ کے الیکشن کے سلسلے میں کسی اہم میٹنگ کی وجہ سے کچھ حضرات بادل ناخواستہ نو بجے اٹھ کر گئے لیکن پونے دس بجے واپس آگئے۔ خطاب کے بعد نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔ اجتماع کے بعد اعلان کیا گیا کہ اگلے روز صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک سوال و جواب کی نشست ہو گی اور گیارہ بجے تا ایک بجے ڈاکٹر صاحب سے نجی ملاقات کی جا سکے گی۔

کرنل صاحب نے ہم سب حضرات کے قیام کا بہت عمدہ انتظام کر رکھا تھا۔ صبح ½۵ بجے محترم ڈاکٹر صاحب کرنل صاحب کی معیت میں دنیا پور روانہ ہوئے اور پونے نو بجے واپسی ہوئی۔ لوگوں نے بہت سے سوالات کئے اور ڈاکٹر صاحب نے سائلین کو امکانی حد تک مطمئن کیا۔ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرنے والوں میں ایک پرانی شخصیت ڈاکٹر عون محمد خان صاحب بھی تھے۔ امیر محترم نے تعارف کروایا کہ آپ (یعنی خان صاحب) ۱۹۵۲ء میں میرے ایم بی بی ایس کے امتحان کے ممتحن

تھے۔ جس پر کرنل صاحب نے فرمایا کہ آپ ۱۹۵۸ء کی بات کرتے ہیں۔ یہ تو میرے ۱۹۴۸ء میں بھی Examiner تھے۔
اسی روز تنظیم کا ایک خصوصی اجتماع بھی منعقد ہوا جس میں پانچ حضرات نے امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کرنے والوں میں رفیق محترم ماجد خاکوانی صاحب کے برادر بزرگ عبدالرحمٰن خاکوانی صاحب بھی شامل تھے۔

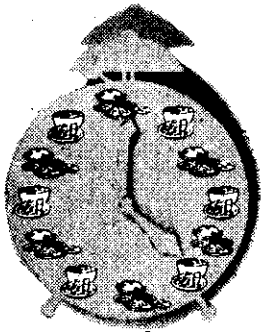

رات پونے نو بجے نشتر میڈیکل کالج کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب نے ۱½ گھنٹے کی تقریر فرمائی۔ وسیع و عریض مسجد طلبہ سے بھری ہوئی تھی۔ اپنی تقریر میں ڈاکٹر صاحب نے انقلابی مراحل، اسلام۔ قانونی اور حقیقی ایمان کے موضوعات پر روشنی ڈالی۔ اگلے روز ۴ ستمبر صبح کو واپسی ہوئی اور اسی روز شام کو عزیزم نعیم رفیع کے اہتمام پر امیر محترم "المورد" تشریف لے گئے اور وہاں سوالات کے جواب دیئے۔ یہ نشست بھی پُر از معلومات اور مفید ثابت ہوئی۔

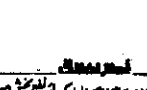

THE ORIGINAL

Have a Coke and a smile.

"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.

paragon

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

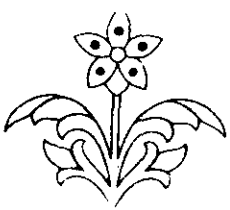

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲ - ایمپریس روڈ - لاہور

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

نمبر ۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رین بو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ❊ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ❊ کاٹن گارمنٹس ❊ احرام تولیہ ❊ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ❊ لکڑی کا فرنیچر۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ❊ سٹکر فلم ❊ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ❊ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور
ذیلی دفاتر: کراچی - فیصل آباد۔

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا ممتاز ادارہ

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال،

لا یؤمن احدکم حتی یحبّ لاخیہ ما

یحبّ لنفسہ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے

ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن

نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی

کیلئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے

لئے پسند کرتا ہے۔

منجانب

نور رشید جیولرز۔ ۲۲، عابد مارکیٹ حمید نظامی روڈ، لاہور

اسلامی تصوف کے موضوع پر

مشہور محقق پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی

مایۂ ناز تالیف

اسلامی تصوّف
میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

اس کتاب میں فاضل مولف نے ان عناصر اور عوامل کی نشاندہی کی ہے کہ جن کی وجہ سے اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش ہو گئی۔

یہ مایہ ناز کتاب قارئین کے بےحد اصرار پر اب دوبارہ عمدہ طباعت اور ڈائی دار جلد کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب کے حُسنِ ظاہری میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

آفسٹ پیپر پر اعلیٰ طباعت، مضبوط اور خوبصورت ڈائی دار جلد قیمت -/۱۵ روپے

ناشر

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ملکی صنعت قوم کی خدمت ہے
اور
قومی خدمت ایک عبادت ہے

سروس انڈسٹریز

اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے سال ہا سال سے
اِس خدمت میں مصروف ہے

Servis

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

LAHORE

Vol. 32 | OCTOBER 1983 | No. 10

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

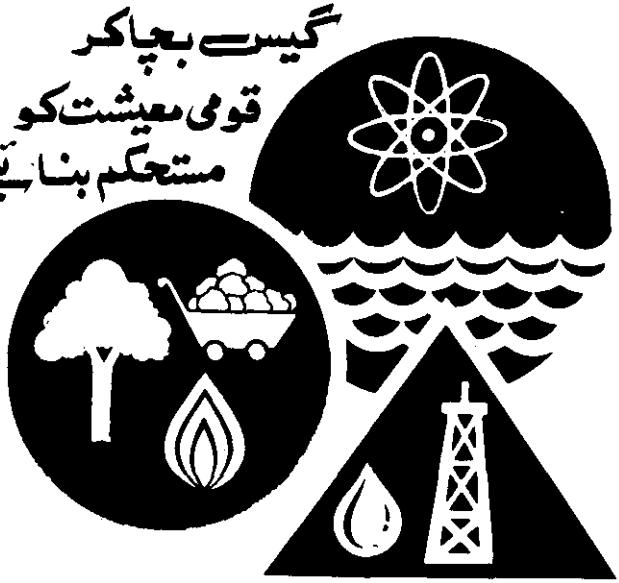

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے. توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں. ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے. آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے.
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SNGPL 4/80

paragon